آسیہ رزاقی

چٹانوں کے سوار

"میں یہ شادی ہرگز نہیں کروں گا۔ صاف انکار کرکے آیا ہوں۔" اعظم کے برابر دھڑام سے گرتے ہوئے اس نے اعلان کیا۔ اعظم نے سرد اور مجبور آہ بھری۔ یہ وہ اعلان پہلے بھی کرچکا تھا۔

"اچھا۔۔۔ پھر۔۔۔ تم کیا کرو گے؟" آخر کتاب سے نظر اٹھانی پڑی۔

"صبر۔۔۔" وثوق سے بولا۔

"اور وہ آئے گا کہاں سے؟" اعظم چڑ گیا۔

"یار! مذاق نہ اڑاؤ' بس' مجبوری کا نام شکریہ۔" اداسی لہجے میں رچی ہوئی تھی۔

"اچھا؟ تو وہ مان گئے۔" اعظم کتاب بند کرنے پر مجبور تھا۔

"شاید۔۔۔ ماننا پڑا۔ آخر میرے والد ہیں' دشمن نہیں۔"

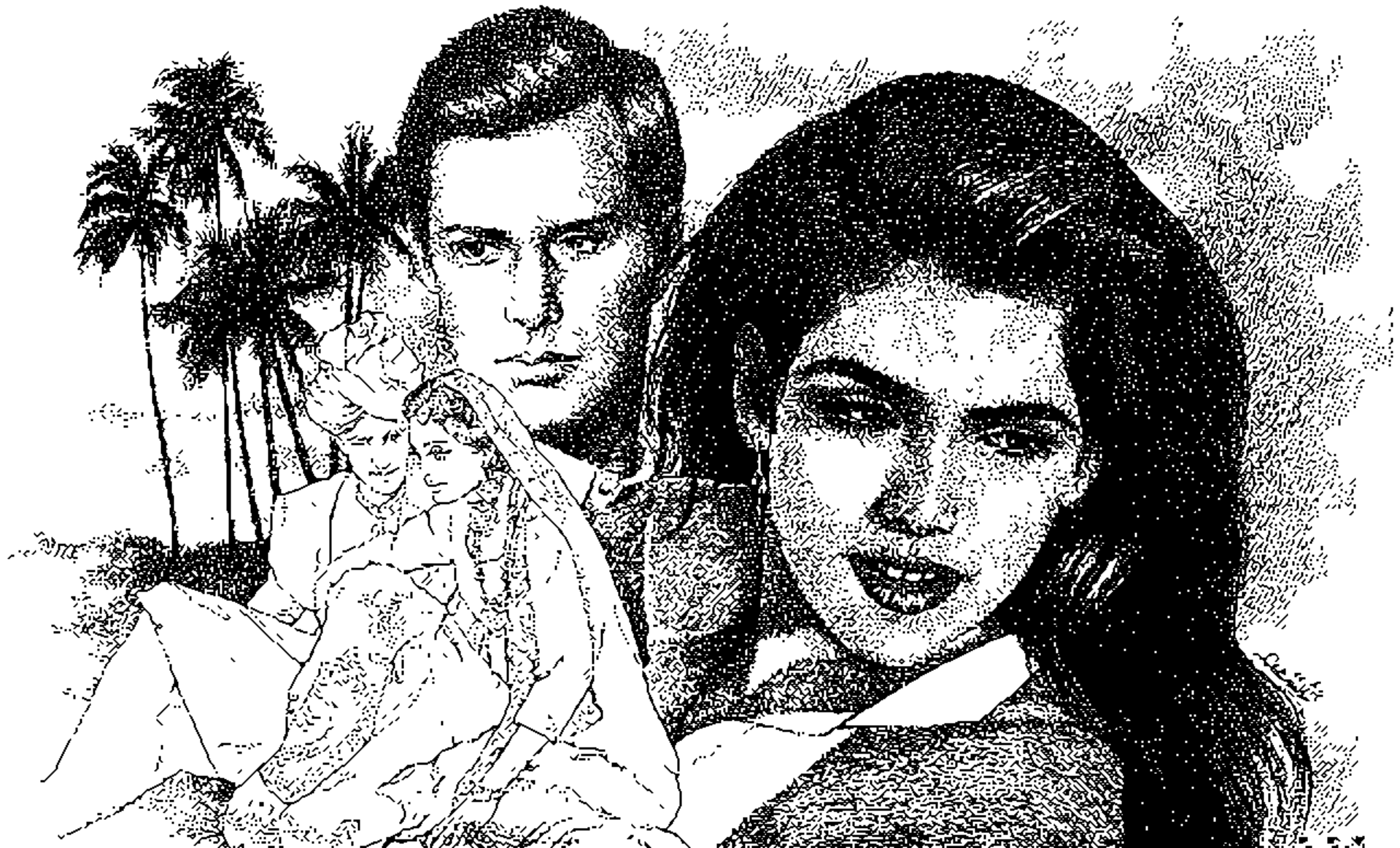
"نہیں تو بہت جلدی تھی تمہارے سر پر سہرا سجانے کی۔ آخر تم نے کیا عذر پیش کیا؟"

"عذر؟ وہ چڑچڑی' بدمزاج' لڑاکا جھگڑالو' سڑیل مزاج' بے سری' میرا معیار نہ تھی' بس' یہ ہی عذر پیش کیا۔"

"اچھا؟ تو۔۔۔ کیا ہے آپ کا معیار؟" وہ طنز کا عادی نہ تھا۔ مگر واثق کے ساتھ ایسا کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

"آہا' میرا معیار' او' او' بے حد حسین' طرح دار' سریلی آواز' کھلتے گلاب جیسی رنگت' تتلی کی مانند اِدھر سے اُدھر اڑتی چھلانگیں لگاتی' ہاہ' ہا' اور مجھے یقین ہے' اللہ شکر خورے کو شکر ضرور دیتا ہے۔" واثق پُرامید تھا۔

مکمل ناول



"کڑوی گولی ' اچھا چلو ' چلتے پھرتے نظر آؤ ' مجھے بہت پڑھنا ہے۔" اعظم گردن موڑ کر پھر کتاب میں محو ہوگیا۔

"بے درد انسان! بے وفا دوست ' تمہیں کچھ اندازہ ہے ' میں کس کرائسس سے گزر کر آیا ہوں۔ بڑی امید لے کر آیا ہوں ' سن لو ' دوستی کا حق ادا کردو۔"

"ہائیں ' کون سا حق؟" وہ حق دق ہوگیا۔

"میری اس سے جان چھڑا دو ' ابا جان کی ضد یہ ہی ہے ' میرے بجائے کوئی بھی۔"

"کیا میں۔۔۔ کیا کروں؟ کون سا حق ' کیسا حق؟"

"بس۔ تم اس بدمزاج سڑیل سے میری جان چھڑا دو ' شادی کرلو اس سے۔ میرا پیارا دوست نہیں؟ دوست ہی دوست کے کام آتے ہیں ' سنا ہے میں نے۔"

اعظم بدک کر پیچھے ہٹا۔ "کیا؟ میں ہی کیوں؟"

"کیونکہ ' ابا جان نے اس شرط پر مجھے معاف کیا ہے کہ میں اپنے کسی اچھے سے شریف دوست سے اس کی شادی کرادوں ' یقین کرو ' تمہیں کچھ نہیں کرنا ہوگا ' اخراجات کی پروا نہ کرو ' جہیز بھی خاصا جمع کر رکھا ہے اماں نے۔ فائدے میں رہوگے یار!"

"جہیز ' تم تو کہتے ہو ' تم سے شادی طے تھی ' پھر گھر ہی گھر میں جہیز کیا معنی؟" واثق کو حیران کرنے میں ملکہ حاصل تھا۔

"وہ اس لیے کہ بے ماں ' باپ کی بچی ہے۔ اس کو کم مائیگی کا احساس نہ ہو۔ آخر لڑکیوں کے بھی کچھ جذبات اور ارمان ہوتے ہیں۔ ایک لاکھ کی سلامی ملے گی۔" اعظم نے کتابیں سمیٹ کر بیگ میں ڈالیں ' اور کھڑا ہوگیا۔ "یار! جواب تو دیتے جاؤ ' دوست نہیں ہو؟ اس بے سری سے پیچھا چھڑا دو۔"

"یہ بتاؤ۔ تمہیں آواز سے کیا لینا دینا ' گانے گواؤ گے؟"

"یار! میں کسی میٹھی آواز کے لیے ترس گیا ہوں ' اف۔۔ (مکا ماتھے پر مارا) کیا کرختگی ہے۔ اوپر سے بدمزاج ' جھگڑالو۔"

"اور وہ۔۔ میرا کیا دماغ خراب ہے۔ آخر تمہاری اماں خود کیوں نہیں انکار کردیتیں۔"

"لو جی۔ وہ کیوں انکار کریں گی ' ان ہی کا تو سب سے زیادہ فائدہ ہے ' ان کی خدمت کرتی ہے ' بلکہ گھر بھر کی بجا آوری اس کا فرض منصبی ہے ' خوشامدی ٹٹو ' میں چاہتا ہوں میری بیوی پُراعتماد ہو ' حسین ہو ' رشتے داروں کے ساتھ بے تکلف ہو۔" لمبی فہرست تھی۔

"اماں کی خدمت نہ کرے؟"

"اتنی خدمت بھی وبال جان ہوتی ہے ' ہر وقت ' خالہ! میں آپ کا سر دبا دوں؟ خالہ! میں پیر دبا دوں ' چائے بنادوں ' شربت لے آؤں ' طبیعت خراب ہے تو یہ کردوں ' وہ کردوں ' میرے سر میں درد ہوجاتا ہے اس کی آواز سے ' اگر تم راضی نہ ہوئے تو میں مراد کی خوشامد کروں گا۔" (دھمکی بھی دی) اعظم کو اس کی ذہنی کیفیت پر افسوس ہوا ' مراد بدقماش ' آوارہ گرد ' جاہل لڑکا۔

"یار! کیوں اس کے ساتھ دشمنی پر آمادہ ہو۔"

"بس۔ میرا مقصد جلد سے جلد اس کو گھر سے رخصت کرنا ہے ' پھر میں ابا کی کسی بھی پسند پر ہاں کرلوں گا ' وہ میرا معیار سمجھ گئے ہیں۔"

"تم۔۔ خاصے خودغرض ہو واثق! ہوسکتا ہے وہ تمہیں پسند کرتی ہو ' آخر ایک ساتھ رہتے ہوئے دو ' تین سال ہوگئے ہیں۔"

"اوہو ہو۔" وہ ہنسا۔ "پسند؟ دشمن ہے میری ' ہر وقت مجھ سے لڑتی ہے ' میں ذرا دیر سے گھر جاؤں ' میرا کھانا خود کھا جاتی ہے خبیث! میرے لیے کوئی چیز بچاتی نہیں۔ مارنے مرنے پر آمادہ رہتی ہے۔ اسے بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ میرا اور اس کا شادی کا چکر چل رہا ہے ' ورنہ مجھے طعنے دے دے کر کھا جاتی۔ تم اخبار میں پڑھتے ' شادی کی پہلی رات دلہن نے دولہا کو قتل کردیا۔"

اعظم کو ہنسی آگئی۔ واثق ' اعظم کا کلاس فیلو تھا۔

اتفاق سے ایک ہی محلے کا بھی تھا۔ دونوں کے مزاج مختلف تھے۔ واثق پڑھائی کے علاوہ ہر چیز سے دلچسپی رکھتا ' اعظم کتاب کا کیڑا کہلاتا۔ اس کی اماں کو اس سے بہت سی امیدیں تھیں۔

گھر کا ماحول بے حد تلخ تھا ' اور یہ تلخی اماں کو جلا کر راکھ کررہی تھی۔ معظم اس کا بڑا بھائی ' بے حد محبت کرنے والا ' شریف النفس انسان ' بیوی ان پر حاوی۔ ترانہ چچا کی بیٹی تھی۔ شادی کے بعد معظم کو مٹھی میں کرنے کے گر اپنی اماں سے سیکھ کر آئی تھی اور برابر ان سے ہدایتیں لیتی۔ ساس جو چچی تھیں ' دشمن سمجھ کر ان کو اذیت پہنچانا ' اس نے فرض اولین سمجھ لیا تھا۔

جوانی میں ترانہ کی امی اپنی جٹھانی یعنی اعظم کی اماں سے خار کھاتی تھیں ' کیونکہ سسرال میں اماں کی قدر و منزلت تھی اور ترانہ کی امی اپنی بدمزاجی اور خودغرضی کی وجہ سے کسی کو بھی پسند نہ تھیں۔ اس کا انتقام وہ بیٹی کے ذریعے لینا چاہتی تھیں۔

ترانہ میں کچھ مخصوص عادات بھی تھیں۔ وہ بھی خودغرض ' مطلب پرست تھی ' ساتھ ہی لالچی اور شکی بھی۔ اس کا خیال کیا بلکہ یقین تھا کہ دراصل معظم کی ساری کمائی کی حق دار وہی ہے۔

شادی کے بعد مرد صرف بیوی کا ہوتا ہے ' اس کی آمدنی پر اماں یا بھائی بہن کا کوئی حق نہیں ' معظم کا اماں کے پاس آکر بیٹھنا اسے گوارا نہ تھا۔ تنخواہ والے دن ایسی چوکسی رکھتی کہ کہیں وہ اماں کو کچھ دے نہ دیں۔ جب بھی وہ اماں کے پاس آتے یا اعظم سے بات کرتے وہ فوراً کسی بہانے سامنے آکر اپنی موجودگی ضروری سمجھتی۔ یوں بھی اس کی کوشش ہوتی کہ وہ معظم کے ساتھ اماں کے پاس آئے۔ کمال نگرانی تھی۔ مگر معظم کو ایسے مواقع مل ہی جاتے۔

جب وہ کام میں مصروف آفس سے لائے ہوئے رجسٹر فائلیں پھیلائے بیٹھے ہوتے وہ مطمئن ہوکر نہانے یا کسی کام سے کچھ دیر کو کہیں جاتی تو وہ اپنی مصروفیات چھوڑ چھاڑ کے اماں کے پاس آتے۔ حسب سابق لاڈ کرتے ' اور مناسب رقم الماری میں کسی مخصوص پوٹلی میں ٹھونس دیتے ' اعظم کو اس کے اخراجات کے لیے چیک دے کر واپس اپنی جگہ جم کر بیٹھ جاتے۔

ترانہ آکر باریک بینی سے جائزہ لیتی۔ انداز نشست پر غور کرتی ' آخر خود پوچھ لیتی۔

"کہاں گئے تھے؟ کسی چیز کی ضرورت تھی تو مجھے آواز دے لیتے۔ میں کوئی مہینہ بھر کو تو نہیں گئی تھی ' آ ہی جاتی۔"

معظم جھلا کر کہتے۔ "اس بکھیڑے سے جان چھوٹے گی تو کہیں جاؤں گا۔ دیکھ نہیں رہیں حساب الجھ گیا ہے۔ کچھ پتا نہیں چل رہا۔ اُفوہ ' چلو پانی ہی پلا دو۔"

اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے ' فائلوں سے نظر نہ اٹھاتے کہ کہیں وہ سمجھ نہ جائے۔ جھوٹ نبھانے کے لیے جس چالاکی کی ضرورت تھی ' وہ معظم کو آتی نہ تھی۔

اعظم کا فائنل ایر تھا ' وہ جانتے تھے یہ سال اس کے لیے کتنا قیمتی ہے ' پڑھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت چاہیے تھا۔ اس لیے وہ باہر نکل کر کسی بھی گھر کی سیڑھیوں پر کتابیں رکھ کر پڑھتا۔ اندر گھر میں ترانہ اسے کام کے لیے اِدھر اُدھر دوڑاتی یا اس کے انکار پر شور کرتی ' طعنے دیتی ' چخ چخ سے بے زار ہوکر وہ گلی میں ہی آجاتا۔ یکسوئی سے پڑھنے کے لیے۔

اور اب اس کے ذہن کو منتشر کرنے کے لیے واثق آگیا۔ واثق کو امتحان کی پروا نہ تھی۔ اس کے بہت سے مشاغل اور تفریحات تھیں۔ اس کے باپ کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ اس لیے تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اعظم کو بہترین رزلٹ کے لیے ان تھک پڑھائی کی ضرورت تھی اماں کے لیے۔ ان کے سکھ آرام کے لیے ' ایک اچھی ملازمت ' معظم کی مہربانی ترانہ کے شکوک سے نجات۔

اماں بے چاری کہتی نہ تھیں ' مگر ترانہ سے معظم کی شادی ' سراسر خسارے کا سودا کیا تھا انہوں نے۔ یہ

اب یقینی بات تھی مگر بے بسی...

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے اماں! گھر میں خاموشی' خدا خیر کرے' یہ کسی طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں؟"

"طوفان کے بعد کی خاموشی ہے۔" اماں بے حد دلگیر' اداس اور تھکی ہوئی تھیں۔

"آج طوفان کی نوعیت کیا تھی؟" وہ تلخ ہو گیا۔

"وہ جو تم نے بسکٹ کے پیکٹ میری الماری میں رکھے تھے۔ بہو بیگم کو شک تھا کہ معظم نے کوئی بڑی رقم مجھے دی ہے' بس الماری الٹ پلٹ کر دی' اور کہنے لگیں' بسکٹ کے ساتھ اور کچھ نہ کچھ ہو گا۔ اس قدر چیخ پکار کی کہ عزیزہ آ گئیں۔ سامنے والی سدرہ آ گئی۔ سب کے سامنے میرے بخیے ادھیڑ دیے کہ میں اس کے شوہر کی کمائی پر عیش کر رہی ہوں۔"

"اور آپ چپ چاپ سنتی رہیں۔" وہ غصے میں آ گیا۔ "اماں! خاموشی سے ظلم سہنا بھی ظالم کی مدد کرنا ہے۔ آپ کیوں اپنا حق استعمال نہیں کرتیں۔ بیٹے کی کمائی پہ پہلا حق آپ کا ہے۔ یہ کہہ کر تو دیکھیں۔" وہ تلملا رہا تھا۔

"بیٹا! یہ بسکٹوں کی کیا حقیقت' وہ تو صرف مجھے ذلیل کرنے کے لیے' مجھے چور اور غاصب ثابت کرنے کے لیے پڑوسنوں کے سامنے مجھ پر الزام رکھتی رہی۔ عزیزہ برابر میری حمایت کر رہی تھی مگر اب کہہ گئی ہے کھانا نہیں ملے گا۔ جو کچھ اور چھپا کر رکھا ہے' وہی کھا لیا کرو۔" اماں چپکے چپکے رو رہی تھیں۔

"وہ رازق نہیں ہیں۔ آپ کیوں رنجیدہ ہوتی ہیں' اللہ سب انتظام کر دیتا ہے' میں کھانا لے آتا ہوں' جب تک وہ بسکٹ ہی کھا لیں۔ تین بج چکے ہیں۔ اسی لیے تو کمزوری بڑھ رہی ہے۔"

اماں سے لپٹ کر انہیں تسلی دے کر کھڑا ہوا۔ ترانہ گھر سے جا چکی تھی۔ اپنی امی کو اپنے نئے معرکے کی تفصیل سنانے۔

اعظم نے کچن میں جا کر جائزہ لیا۔ معظم تین دن کے دورے پر گیا ہوا تھا۔ ترانہ کے آج آنے کی توقع نہ تھی۔ فریج میں چکن کے پیکٹ تھے۔ ایک پیکٹ' پیاز' تیل' آلو' ٹماٹر جو سمجھ میں آیا لے کر پڑوس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

عزیزہ بہت ہمدرد' محبت کرنے والی خاتون تھیں۔

"خالہ! بہت شرمندہ ہوں۔ بھابھی گھر میں نہیں ہیں' میں اتنا ناکارہ ہوں کہ کچھ کر نہیں سکتا' اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو دو وقت کا سالن پکا دیں۔"

وہ بے حد شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔

"ایک کام کرو' میں نے تمہارے اور آپا کے لیے کھانا نکال کر رکھ دیا تھا۔ یہ لے جاؤ' اور یہ میں پکا کر بھیج دوں گی۔ تم نے تکلّف کیا' میں کھانا لے کر آنے والی تھی بیٹا! پڑوسی بھی ہمدردی نہ کریں تو ان کے لیے شرم کا مقام ہے۔ تم لوگوں نے اس لڑکی کو ہوّا بنایا ہوا ہے' خیر تم آپا کو کھانا کھلا دو' رات کے لیے بھی بھیجوں گی' اچھا۔"

گھر آیا تو اماں نڈھال پڑی تھیں۔ کمزوری حد سے بڑھ گئی تھی۔

"کہا بھی تھا اماں! بسکٹ کھا لیں۔ اتنی دیر بھوکا رہنا آپ کے لیے اچھا نہیں ہے۔"

"بسکٹ کہاں ہیں' بہو بیگم سارا چورا کر کے ڈسٹ بن میں ڈال گئی تھیں۔"

دونوں نے کھانا کھایا۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ شام کو عزیزہ خالہ پھر کھانا لے آئیں۔

"اعظم! اب تم بھی شادی کر لو' کسی اچھی لڑکی سے' تمہاری ماں کو ضرورت ہے۔"

وہ ہنس دیا "خالہ! ایک اسٹوڈنٹ' بے روزگار کو کون دے گا بیٹی' اور کہاں سے کھلاؤں گا اسے۔ بھابھی کو ہمارا وجود گوارا نہیں۔"

عزیزہ نے سرد آہ بھری۔ "ہاں' یہ بھی ہے' دعا کرتی ہوں تمہیں بہت نیک خدمت گزار بیوی ملے۔ تمہاری اماں کو آرام کی ضرورت ہے۔ یاد رکھو ماں کی خدمت سب سے بڑا فرض ہوتا ہے۔ عوض میں جو دعائیں ان کے دل سے نکلیں گی وہی سب سے بڑا انعام ہو گا تمہارا۔"

اعظم کو احساس تھا۔ اماں کو ترانہ بہت اذیت دیتی ہے۔ زبان کے تیروں سے زخمی کرنے کے علاوہ جسمانی اور روحانی ذہنی اذیت' کھانا' ناشتا دیر سے' یا پھر بھولنے کا بہانہ کافی کارگر تھا۔

اماں کو کچن میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ اگر کبھی وہ چلی جاتیں' تو نہ جانے کتنے الزام لگاتی "دودھ پی جاتی ہیں' کھانے میں نمک جھونک دیا' ڈبے خالی کر دیے۔" اماں بھوک سے لڑتی رہتیں۔ کچن میں جانے کی ہمت نہ کرتیں۔ بے حد لاغر ہو گئی تھیں۔

اعظم اپنی موجودگی تک تو ہر طرح خیال رکھتا۔ معظم نے ایک لڑکی اماں کی خدمت کے لیے رکھ لی تاکہ ترانہ بھی ان کا کام کر کے احسان جتانے سے باز آ جائے اور اماں کو وقت پر کھانے پینے یا دیگر کام کی سہولت ہو جائے۔ مگر وہ بھی ترانہ کو گوارا نہ تھی۔

اعظم صبح اپنے ہاتھ سے ناشتا کروا کے یونیورسٹی جاتا۔ اب تو خیر اسے فری کر دیا گیا تھا۔ امتحان میں کچھ دن رہ گئے تھے۔ اس لیے وہ دل جمعی سے پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بسکٹ اسی لیے اماں کے لیے لا کر رکھے تھے کہ بھوک لگے تو کھا لیں۔

اماں ان بسکٹوں کو بھی سنبھال کر رکھتیں۔ کوئی ملنے والی آتی اس کی خاطر کرتیں۔ ترانہ تو ایک پیالی چائے کے سوا کسی کے لیے گنجائش نہ رکھتی۔ ایک بار اعظم نے معظم کو گواہ بنا کر کہہ بھی دیا۔

"ہمارے گھر میں مہمان کو خالی چائے پر نہیں ٹرخایا جاتا تھا۔ اماں خود حلوے' سموسے بنا کر مہمانوں کی خاطر کرتی تھیں۔ کبھی چائے کے ساتھ پکوڑے' نمک پارے' ورنہ تو کھانا کھائے بغیر کوئی چلا جائے' ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔"

معظم نے بھی گواہی دی' ترانہ کے تو آگ لگ گئی' تڑخ کر بولی۔

"کھانے پینے میں ہی چچا کی کمائی لٹا دی۔ میں مفت خوروں کو پکوڑے' سموسے کھلا کر اپنے میاں کی محنت کی کمائی کیوں ضائع کروں' اتنی پاگل نہیں ہوں۔"

اعظم نے ایک دن معظم کو احساس دلایا کہ اماں بہت کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔

معظم کو فکر ہو گئی۔ "اچھا۔ تم کل لے جا کر چیک اپ کرا لینا۔ میں فیس دے دوں گا۔"

"بھائی! اماں کو بیماری نہیں ہے۔ اصل مسئلہ کم خوراکی کا ہے۔ جلتی کڑھتی رہتی ہیں' بھابھی تو وقت پر کھانا دیتی نہیں۔ کم از کم آپ انہیں سمجھا سکتے ہیں۔"

مگر ترانہ کو سمجھانے کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت تھی۔ جو معظم کے پاس نہ تھے۔

"میں اماں کی بہت خدمت کروں گا۔ انہوں نے ہماری تعلیم و تربیت میں اپنی جان اپنی صحت مٹا دی۔ اب ہمارا فرض ان کو راحت پہنچانے کا ہے۔"

ترانہ کی آمد سے پہلے معظم اماں کا بہت خیال رکھتا تھا۔

پھر۔ پتا نہیں کیا ہوا؟ وہ ترانہ کے اشاروں پر عمل کرنے لگا۔

"نہیں۔۔۔ ایسا نہیں بنوں گا۔ بیوی کا غلام' ماں کی خدمت اور فرماں برداری پہلے۔" اس نے دل میں مصمم ارادہ کرلیا۔ مگر یہ خواب' اور اچھی جاب' تاکہ معظم کا دست نگر نہ ہو۔ کب تعبیر ملے گی۔

فی الحال جو ممکن تھا وہ کررہا تھا۔ صبح کا ناشتا خود بنا لاتا۔ رات کا کھانا بھی نکال لاتا' دونوں ماں' بیٹا کھالیتے' وہ ترانہ سے ڈرتا نہ تھا۔ اماں کی طرح' بلکہ کبھی کبھی جواب بھی دے دیتا' ترانہ تلملا جاتی۔

☼ ☼ ☼

اس دن وہ گھر آیا۔ انار کلی میں ایک کتاب کی تلاش کے سلسلے میں گیا تھا۔ ظفر اور فاروق کے ساتھ وہاں کچھ دیر ہوگئی۔ مگر کتاب مل گئی کہ بہت ضروری تھی' گھر میں اماں کے کمرے میں معظم بھی تھا۔ اماں کے چہرے پر رونق نظر آئی۔ یوں بھی جب معظم ان کے پاس کچھ دیر کو آکر بیٹھتا۔ اماں کا چہرہ' آنکھیں' پورا وجود پُررونق ہوجاتا' چاق وچوبند' لیکن اس وقت اماں کے چہرے کی رونق اور آنکھوں کی چمک کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔ معظم قدرے فکر مند اور سوچ میں گم تھا۔

"کیا بات ہے اماں! بہت خوش نظر آرہی ہیں؟"

سوال کے جواب میں ان کے لبوں پر بڑی دل فریب ہنسی لہرائی۔ انہونی مسکراہٹ' عرصہ بعد ان کو مسکراتے دیکھا۔

"کیا بھائی نے کوئی خوش خبری سنادی جیسا کہ فلموں میں دیکھا ہے۔" (اماں' میں باپ بننے والا ہوں۔ قسم کی خوش خبری۔)

اماں نے معظم کو دیکھا' کچھ شرمائیں۔ (ہائے معصوم) چادر کی ان دیکھی سلوٹ درست کرتے ہوئے دھیمی آواز میں بولیں۔

"نہیں۔۔۔ واثق کی امی کو دیکھنے گئی تھی۔ بیمار ہیں' بہت پریشان تھیں' وہ ہے نا' ان کی بھانجی' اس کی شادی کے لیے۔" اماں رک گئیں۔

"ہاں۔ واثق بتا رہا تھا' تو واثق مان گیا' کب ہے شادی؟"

"وہ تو جب تم کہو۔" اماں کا لہجہ کچھ دبا دبا تھا۔ ان کی ہچکچاہٹ اجنبی تھی۔

"کہیں آپ نے' اماں کہیں آپ نے مجھ غریب کی قربانی' تو۔۔۔" وہ چیخا تھا۔

"چلاؤ مت' بس انہوں نے بہت زیادہ فکر' مجبوری بیان کی' تو میں نے رشتہ دے دیا' اور انہوں نے فوراً" اقرار کرلیا۔ آخر تم شریف نیک لڑکے ہو' دیکھے بھالے۔"

اب ان کا لہجہ دبنگ تھا' پُراعتماد' پُریقین' فخریہ۔

"شریف' غریب' بے روزگار اور احمق۔" وہ سر پر مکے برسا رہا تھا۔

"نہیں سب منظور ہے' کوئی ڈیمانڈ نہیں ہے' اگلے ماہ میاں' بیوی حج پر جارہے ہیں' اب اس بچی کو واثق کے ساتھ گھر میں کیسے چھوڑتے' بس تو جمعے کو نکاح اور رخصتی ہے۔"

معظم پر جیسے بم پھٹا۔ وہ لڑکھڑایا۔ اور اماں کے بستر پر دھڑام سے گرا۔

"جمعہ۔" وہ حلق کے بل چیخا' اوف' اوف۔ سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ "آپ نے یہ سوچا بھی کیسے؟"

"ان کی مدد کے لیے اور میرا بھی فائدہ تھا۔" اماں بہت مطمئن تھیں۔

اور انہوں نے فائدے گنوائے۔ معظم نے تائید کی۔

"گھر میں ایک خدمت گزار' محبت کرنے والی' اماں کو رفاقت دینے والی کی ضرورت تھی' اچانک فوری شادی بغیر کسی خرچے کے ممکن ہے۔ آنے والی اپنا رزق خود لے کر آئے گی۔ بوجھ نہیں بنے گی' اور ایک خوش خبری۔

"میں نے تمہارے لیے ایک سروس کا انتظام کردیا ہے' شام کو شاپنگ مال میں سات بجے سے دس بجے

رات تک کمپیوٹر پر تمہاری ڈیوٹی ہے' ابھی تو تنخواہ کم ہی ہوگی۔ یعنی پندرہ ہزار' تمہارے ایگزامز کے بعد تنخواہ اور ٹائم دونوں بڑھ جائیں گے۔ تم وہاں کمپیوٹر کو اپنی ضرورت کے مطابق تعلیم کے لیے بھی استعمال کرسکو گے۔ دراصل ان کا کمپیوٹر انچارج بھاگ گیا دبئی۔ اور انہیں فوری طور پر کوئی قابل بھروسہ بندہ دستیاب نہیں۔ میں نے تمہارا ذکر کیا۔ وہ بے حد خوش ہوگئے۔ مینجر سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔ آج شام چھ بجے میرے ساتھ چلنا۔ کل سے تمہاری ڈیوٹی شروع۔ یہ اس آنے والی کے نصیب کی برکت ہے' سمجھے۔"

معظم نے یقیناً" آنے والی کے قدموں کی چاپ کو بھی بابرکت قرار دینے کا تہیہ کرلیا تھا۔ وہ رو دینے کو تھا۔ اماں اور معظم کی خوشی پر۔

"سوچ لیں۔" وہ پھر تندہی سے گویا ہوا۔ "کہیں سر منڈاتے ہی اولے نہ پڑجائیں۔ کون ہے' کیسی ہے' کیا ہے' دیکھا نہ بھالا' نہ پرکھا' کل کو مجھے الزام نہ دیں کہ بدمزاج' بدزبان لڑاکا ہے۔"

"جن کو دیکھ بھال' پرکھ کرلائی تھی' ادھر سے جو انعام ملتے ہیں۔ اس کا شکوہ کیا کبھی؟ اب بھی چپ رہوں گی' میں اس ارادے سے تو گئی نہیں تھی۔ وہاں نعیمہ کی پریشانی دیکھ کر' ہمدردی کر بیٹھی' بیٹا! اللہ کی طرف سے اشارہ ملا ہے' ورنہ میری یہ اوقات کہاں تھی کہ بے روزگار بیٹے کے لیے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں' گھر آکر سوچا تو حیران ہوگئی۔ کس طرح میرے اللہ نے میری مدد کی ہے' میرا بھرم رکھ لیا۔ معظم بھی رضامند ہے۔"

"ہاں جی' وہ کیوں رضامند نہ ہوتے۔ بھابھی جو نہیں ہیں' وہ ہوتیں تو دیکھتا' وہ جب آئیں گی' تب جو طوفان اٹھے گا' پھر۔۔۔!"

"اماں کو ڈراؤ نہیں۔" معظم ہشاش بشاش مونچھ مروڑ رہا تھا۔

"ترانہ اپنے بھائی' بھابھی اور اماں کے ساتھ سوات گئی ہے۔ ایک مہینے کا ٹور ہے' اسلام آباد' فیصل آباد وغیرہ رشتے داروں سے ملنے جانا ہے۔ اللہ نے اسباب پیدا کردیے۔ جاب بھی مل جائے گی۔ پڑھائی دل لگا کر کرو۔"

معظم کے جانے کے بعد بھی اماں سے بحث مباحثہ جاری رہا۔ کتنی دیر وہ ان سے التجا کرتا رہا۔

واثق کو برا بھلا' اس کی اماں کو خود غرض کہتا رہا' اماں ٹوکتی رہیں۔

اچانک اس کی خوبیاں یاد آئیں۔ ہیں یہ وہی تو نہیں؟ آہا خوب بھئی۔

"اچھا۔ کچھ معلوم ہے' محترمہ بدمزاج' بدزبان لڑاکا' چڑچڑی' خوشامدی ٹٹو۔ اور' آواز اتنی خوف ناک ہے کہ پرندے ڈر کر اڑ جاتے ہیں۔ ان کے گھر پر سے کوے تو کوے چیلیں بھی گزرتے ہوئے ڈرتی ہیں۔"

"اچھا۔ تم نے اس کی آواز کہاں سن لی۔ اور تمہیں آواز سے کیا۔ گانا گواؤ گے؟" اف وہی جملہ' جو اس نے واثق سے کہا تھا' اماں نے اس پر دے مارا۔

"اماں! ہر انسان کچھ تو سوچتا ہے۔ چاہتا ہے' اس کی کوئی خواہش' کوئی معیار۔ کوئی آئیڈیل تو ہوتا ہے۔"

وہ اب التجاؤں کرنے پر اتر آیا۔

اماں مسکرادیں۔ ہائے کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ان کی اس حسین مسکراہٹ پر قربان ہوجاتا۔

"ہاں۔ وہ انسان ہوتا ہے' ابھی تم صرف ایک بے روزگار نوجوان ہو۔ جس کا کوئی آئیڈیل ہوتا ہے نہ معیار۔ اور تم صرف میرے بیٹے ہو۔ یہ ہے وہ حقیقت' جس کا چرچا تم کرتے رہتے ہو۔"

وہ سر جھکا کر ان کے بازو سے لپٹ گیا' کہنے کو رہا ہی کیا۔

"اللہ کا شکر ادا کرو میرے بچے!" اماں اب اس کو پیار کررہی تھیں۔

"میں اللہ کا شکر گزار بندہ ہوں اماں!" وہ دل سوزی سے بولا۔

"تو اس کا ثبوت بھی دو' اعظم! مجھے پاگل' جلد باز نہ سمجھو۔ مجھے اس رشتے میں اپنا مفاد بھی نظر آیا۔ مجھے کسی ہمدرد ساتھی کی ضرورت ہے' تنہائی سے بچنے کے

لیے' اپنا دکھ سنانے کے لیے' غم بانٹنے والی' خدمت گزار بہو' یقین کرو' مجھے اس کی موٹی آواز میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ اس گھر کو آواز ہی کی ضرورت ہے' جب تم دونوں نہیں ہوتے۔ یا تو سناٹا ہوتا ہے' یا ترانہ کی باریک آواز کی تیز تیز' چخ چخ' الزام' گالیاں' کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ اترتا ہے یا کسی خنجر کی نوک' میں بہت تھک گئی ہوں بیٹا! زخم کھا کھا کر۔"

"اب بھی سوچ لیں۔ آئندہ کیا ہونا ہے' کہیں سارے ارمان اور امیدیں خواب ہو جائیں' بے تعبیر خواب' بھابھی کی طرح' وہ بھی اگر......"

"اللہ نہ کرے۔" اماں تڑپ گئیں۔ انہیں یقین تھا۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ ترانہ کو بھی وہ بڑے ارمانوں سے بیاہ کر لائی تھیں۔ خاندان کی لڑکی' گھر کو رونق کی ضرورت تھی۔ انہیں تب ذرا بھی یہ خیال نہ تھا کہ وہ ان سے دشمنی کا رشتہ قائم کر لے گی۔ صرف اپنی ماں کی ہدایت ہی یاد رہی۔ "ساس کو چین نہ لینے دو۔ مجھے ساری عمران کی وجہ سے سسرال میں اعتراضات ملے۔ اب مزا چکھا دو۔ بہت ذلیل ہوئی تھی میں۔ اب ان کو ذلیل کر کے چین ملے گا۔"

ترانہ اس قدر نڈر ہو چکی تھی کہ وہ یہ بانگ دہل اماں کے الفاظ دہراتی تھی۔ اور اماں' سن لیتی تھیں۔ معظم بھی کچھ نہ بولتا۔ سختی کرنا در کنار' وہ جائز خواہش بھی منوانے سے قاصر تھا۔ ورنہ اس کی بھی خواہش اماں کو سکھ پہنچانے کی تھی۔ لیکن ترانہ کی چیخ پکار' فریادیں۔ معظم عزت کے لیے گھر کے سکون کی خاطر' چپ رہتا' ایک موہوم سی امید کہ ترانہ کبھی نہ کبھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گی کہ مائیں سب کی محبت کی عزت کی طلب گار ہوتی ہیں۔ بے ضرر بوڑھی ماں کو بڑھاپے کا سہارا چاہیے۔ ذرا سی چاہت' تھوڑی سی رفاقت' لیکن شاید ترانہ میں اس احساس کا فقدان تھا۔

پانچ سال شادی کو ہو گئے۔ اولاد ہو گئی ہوتی تو ممکن ہے مکافات عمل کا خوف اس کو بدلنے پر مجبور کر دیتا۔ لیکن... اللہ کو نہ جانے کیا منظور تھا۔ شام کو معظم اسے شاپنگ مال لے گیا۔ کام اعظم کی مرضی کا تھا اور فارغ وقت میں اسے کمپیوٹر استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ اپنی پڑھائی کے لیے اس وقت اسے کمپیوٹر کی اشد ضرورت بھی تھی۔ اللہ کی مہربانی سے یہ نعمت اسے نصیب ہو گئی۔ اماں نے اسے بھی آنے والی کے نصیب سے جوڑ دیا۔

☆ ☆ ☆

اس روز دوپہر میں وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ پڑھائی' کتابوں میں غرق' اچانک دوستوں نے ہلہ بول دیا۔ یہ محلے کے ہی لڑکے تھے۔ پہلے کبھی گھر کے اندر نہیں آئے تھے۔ آج کیسے وہ سب کھڑے ہو کر بغور کمرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ پھر مذاق اڑانے لگے۔

"یہ کمرہ ہے؟ اس میں کمرے والی کیا چیز ہے۔ کتابوں کے ڈھیر۔ اس پر گرد کے انبار۔"

"یہ کمرہ کیسا کمرہ ہے۔!"

"یہ ایسا ویسا کمرہ ہے۔"

سب بولے جا رہے تھے اور پلنگ پر کرسی پر' میز پر رکھی مختلف اشیاء' کپڑے' تولیہ' لیمپ' ڈبے' بوتلیں الماری میں ٹھونس رہے تھے۔

وہ احتجاجاً" چیخے جا رہا تھا۔ مگر وہ اکیلا تھا اور وہ لوگ پانچ پہلوان' پھر وہ اس کے گرد کھڑے ہو گئے۔ آنکھوں آنکھوں میں اشارے بازی ہوئی' پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اسے سب نے دبوچ لیا۔ اور باہر لے چلے' اس کے پاس زبان سے احتجاج کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ ہاتھ پاؤں ان پانچوں کے شکنجے میں تھے۔

"ابے خبیثو' جنگلی بھینسے' ارے ارے او لمبو' اے موٹے گینڈے' مجھے کہاں؟"

وہ اسے لے کر اماں کے کمرے میں داخل ہوئے' بہ آرام اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ اماں کے سامنے جھینپ رہا تھا' ہاتھ پاؤں سہلا رہا تھا۔ اماں منہ پر ہاتھ رکھے ہنس رہی تھیں اور ایک منٹ کے بعد اس کی میز معہ کتابوں اور دیگر لوازمات کے اس کے سامنے رکھ دی گئی۔

"خالہ جی! اب اعظم آپ کے سپرد کیا' اسے یہاں

سے کہیں نہ جانے دیں' پڑھتا رہے۔"

باہر نکلتے ہوئے وہ کمرے کا دروازہ بھی بند کر گئے۔ اس کی چیخوں کی پروانہ کی۔ اب اس نے دیکھا۔ اماں کے ساتھ والی میز پر تھرمس بھی ہے۔ پلیٹ میں مٹھائی اور کیک' یعنی' کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ وہ مجبور ہو کر پھر کتابوں میں غرق۔

اماں بھی لیٹ گئیں۔ پڑھتے پڑھتے پیاس لگی۔ تھرمس سے پانی انڈیلا۔ ایک بسکٹ منہ میں ڈالا۔ کیک پیس لیا چند قدم کمرے میں اِدھر اُدھر چلتا رہا۔ پھر واش روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ نیند اور سستی بھگانے کا تیر بہدف نسخہ۔ پھر کچھ دیر کتابوں میں منہ ڈالے بیٹھا رہا۔ اب کمپیوٹر کی سہولت ہو گئی ہے۔ چلو جی' کل سے وہیں جا کر' دروازہ باہر سے بند' اماں اٹھ گئیں تو اس نے کھڑکی سے آوازیں لگائیں۔ بارے دروازہ کھلا۔ اور ایک بھوت اندر داخل ہوا' پھر دوسرا۔

"جس چیز کو تم کمرہ کہتے تھے۔ میں نے اس میں جھاڑو لگائی ہے۔ میرا نام لطیف ہے۔"

وہ چیخا' پھر اماں کے سامنے اپنا ہیبت ناک حلیہ پیش کیا۔

"دیکھ رہی ہیں خالہ! میں ہوں لطیف' بلکہ میں تھا لطیف۔"

"اور میں ہوں سالار۔" دوسری سمندری مخلوق نے تعارف کرایا۔ "میں نے اس چیز یعنی کمرے کو دھونے کی غلطی کی ہے۔"

"اور میں نے کوئی میک اپ نہیں کیا۔" لطیف جس کے بال' بھنویں' پلکیں تک دھول مٹی سے سفید تھیں۔ اماں سے فریاد کناں تھا۔

"تو میں نے بھی میک اپ کے بغیر کمرے کی کیچڑ کے باعث یہ حلیہ حاصل کیا ہے۔"

"اور میں نے پلنگ' بستر باہر رکھا ہے' چیزیں سمیٹی ہیں' خراشیں دیکھو۔" کھڑکی میں سے ارشد بولا۔

اعظم چھلانگ لگا کر باہر نکلا۔ "کیوں' کیوں' میرا کمرہ کیوں؟" چیختا ہوا برآمدے میں آیا۔ اس کا سنگل بیڈ' اس پر بستر' اس کے جوتے' موزے' برآمدے کی زینت بنے ہوئے تھے۔ برآمدہ بھی رگڑ رگڑ کر دھویا گیا تھا' تب ہی اس کا فرش چمک رہا تھا۔ کمرے کے دروازے پر وہ حیرت کی تصویر بنا کھڑا تھا' یہ کمرہ' کس کا کمرہ ہے۔ کھڑکی میں نیلے پردے لگاتے ہوئے اختر' اطہر مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ فخریہ پیش کش۔ ایک نیلا قالین کمرے کی قدر بڑھاتا ہوا۔ اس پر ایک ڈبل بیڈ رونق لگاتا ہوا' بیڈ پر گلابی چادر' نیلا حاشیہ' کونے میں کھڑا وہ باریک جالی کے شیڈ والا گولڈن لیمپ سفید اسٹینڈ کے سہارے۔

"یہ... یہ... کیا کر دیا۔ میرا کمرہ۔" تعجب اور بے یقینی' احتجاج بھی کمزور۔

"تو کیا نئی دلہن کو اس بے ہودہ کمرے میں لا کر بٹھانا تھا۔" اختر کرسی سے چھلانگ لگا کر اترا۔

"ابے' تو تمہیں کیا' میں چاہے جہنم میں رہوں۔ اسے وہیں رکھوں گا۔ یہ سب آخر ہے کیا' کہاں سے لائے ہو' یہ بیڈ' یہ بستر' یہ پردے۔"

"شرم کرو اعظم! بلکہ چلو بھر پانی میں ڈوب مرو' کوئی تعریف نہ شکریہ۔ کس مشقت' مصیبت اور عجلت میں ہم نے کمرے کو کمرہ بنایا ہے' دوستوں کی محنت کا کچھ خیال کر لیتے۔" اطہر تاسف سے بولا۔

"اور ملاحظہ ہو۔ سسرال کی چیزیں تو صاف نظر آ گئیں۔" لطیف کا بھوت نہ جانے کدھر سے آواز نکال رہا تھا۔ "اور ہم دوستوں کی طرف سے اس کی شادی کا تحفہ یہ نیلا کارپٹ نظر ہی نہیں آیا۔ ذکر تک' اشارہ تک نہیں۔"

"یار! تف ہے ایسی دوستی پر۔" سالار کا سمندری بھوت بھی بل کھا کر رہ گیا۔

"مجھ سے تمہاری محبت کا راز کیا ہے۔ حل طلب معمہ۔" وہ چڑ گیا۔

"کچھ لحاظ بھی کر لیتے ہیں اعظم! ہم سب دوستوں میں سب سے پہلے تمہاری شادی ہو رہی ہے' ہمارا محلے داری کا رشتہ بھی ہے' دوستی کے علاوہ۔"

"ہم محبت ظاہر نہیں کرتے' مگر موقع کے لحاظ سے فرض ادا کرنا پڑتا ہے۔"

"اور وہ تم پر قرض ہوگا۔" وہ سب اپنی اپنی بولی بولے جارہے تھے۔

"میں کسی کا قرض کیوں چکاؤں۔ مجھے سب ٹھیک ٹھیک بتادو۔"

"تیری سسرال سے آیا تھا یہ سامان' تیرا سالا واثق لایا تھا۔ خالہ جی نے ہمیں بلایا' ہم آگئے۔ اس ہیبت ناک کباڑ خانے کو حجلۂ عروسی بنادیا' سوچا' اعظم یاد کرے گا' اس کی شادی پر ہم نے کمرہ سجایا' گھر مہکایا' شادی کے دن سب بھنگڑا ڈالیں گے' مبارک باد دیں گے' مگر یار! تم نے بڑا مایوس کیا' ہم تو مایوس ہوگئے۔"

"ہاں! شادی' ایسی شادی؟ یہ کوئی شادی ہے؟"

"جیسا کمرہ' ویسی شادی' اب ماتم بند کردے یار! ہم نے کمرے کو حجلۂ عروسی میں تبدیل کردیا ہے' تو شادی میں بھی چار چاند لگادیں گے۔"

سالار تسلی دے رہا تھا۔ تو اماں نے آکر ان کو شاباشی دی۔ گلے لگایا اور لطیف کو نہانے سالار کو تولیہ دے کر خشک ہونے کا مشورہ دے کر مٹھائی کا ڈبہ ان کے ہاتھ میں پکڑایا۔ وہ سب نعرہ لگا کر ہلہ بولنے کے انداز میں ٹوٹ پڑے' لطیف گرد اور دھول کی پروا کیے بغیر' سالار خشک ہونے سے پہلے اور فوراً" عملی تفسیر بن کر ڈانس کرنے اور گانے گانے لگے۔ اماں کو ان کے ساتھ تالیاں بجاتے دیکھ کر وہ خوش کم حیران زیادہ تھا۔

سب کے جانے کے بعد وہ اپنے اس کمرے میں داخل ہوا۔ جو قطعی اجنبی سا تھا۔ سامنے اس کی کوئی چیز نہ تھی۔ قالین دوستوں کا تحفہ' بیڈ' بستر' پردے سسرال کی عطا' اسے محسوس ہی نہ ہوا کہ وہ اس اجنبی بستر پر بیٹھا ہے' پھر لیٹا اور پھر سو گیا۔

شام کو آنکھ کھلی سوچا۔ "آہ' آرام دہ' صاف ستھرا بستر بھی کیا عجب نعمت ہے۔"

✲ ✲ ✲

"شادی سادگی سے ہوگی۔" یہ وضاحت واثق نے آکر کی' اعظم بھنا گیا۔

"ہاں جی ہم تو امریکہ سے نئے نکور بینڈ باجے منگوا چکے تھے۔ تمہاری اس اعلا وارفع کزن کی عظیم الشان شادی کو یادگار بنانے کے لیے خبیث! کتنا خوش نظر آرہا ہے۔ اپنی بلا میرے سر منڈھ کر۔"

واثق کچھ اور سامان لے کر آیا تھا۔ (جہیز؟) اور اعظم کا شادی میں پہننے کے لیے سوٹ اور شیروانی' اماں کو مبارک باد دینے خواتین آئی تھیں۔ انہوں نے عزیزہ خالہ کی سربراہی میں سب سامان' سوٹ کیس' پیٹی' کارٹن' اس حجلۂ عروسی میں ہی رکھوایا تھا۔ ایک بڑی بی نے بڑی حسرت سے کہا۔

"جیسا آنا" فانا" اعظم کا نصیبہ جاگا ہے' الٰہی سب لڑکیوں کا جاگے۔"

ان کی تین بیٹیاں رشتے کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔

اعظم نے اماں کے چہرے پر جو خوشی اور رونق دیکھی' وہ معظم کی شادی پر بھی تھی' جو رفتہ رفتہ بے رونقی اور اداسی میں بدلتی گئی۔ وہ سوچ رہا تھا۔

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

اسے خود پر بھروسہ تھا اور وہ جانتا تھا کہ معظم کی طرح کمزور نہیں۔

دونوں بیٹوں کی شادیوں کا فرق اماں کو بھی نظر آرہا تھا۔

معظم اپنی شادی پر بہت خوش تھا۔ اعظم ناخوش۔

معظم کی شادی میں پورا خاندان ملتان اور کراچی سے آکر شریک ہوا تھا۔ کافی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ اعظم کی شادی پر اتنا موقع نہیں تھا کہ کسی کو بلایا جاتا۔ بس محلے والے ہی تھے' یہاں تک کہ ترانہ بھی نہیں تھی۔

البتہ اماں خود بے حد حوصلے اور ارمانوں سے دلی خوشی کے جذبے سے یہ جوا کھیلنا چاہتی تھیں۔ وہ مطمئن تھیں۔ اعظم گو توہمات سے بے خبر' اور وہ بھی اس وقت کو نامناسب کہہ کر' راضی تھا' نہ مطمئن' خوشی کا تو ذکر ہی کیا۔ لیکن ساتھ ہی اماں کے فیصلے اور خوشی کے درمیان رکاوٹ بننے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ مستقبل سے ہراساں تھا' بدمزاج' بدزبان سڑیل لڑاکا

جھگڑالو' کرخت آواز' اس کے علاوہ بھی شاید اور القابات تھے جو یاد نہیں آرہے تھے۔ اور اماں خوش' معظم خوش بہ خوش' واثق حد سے زیادہ خوش۔

اماں کو کچھ برا نظر نہیں آرہا تھا۔ نہ جانے کہاں سے دلہن کے لیے زیور بھی برآمد کرلیے' دو بھاری جوڑے بھی بنوالیے۔ (عزیزہ خالہ اور سدرہ آپا زندہ باد) چنانچہ بددلی سے سہی۔ دولہا بن کر دیارِ سسرال پہنچ گیا۔

بے حد تپاک اور عزت سے استقبال ہوا۔ واثق کے ابا کافی ممنون نظر آئے۔ ان کے گھر بھی قریبی عزیز تھے۔ نکاح کے بعد سب سے پہلے واثق ہی اس سے لپٹا' مبارک اور شکریہ۔

"جب میں نے خوشامد کی تھی تو صاف انکار کردیا۔ پھر اب کیسے راضی ہوئے؟"

"اماں کے لیے' ان کے حکم ان کی خوشنودی کی خاطر۔" اس نے واثق کو علیحدہ کیا۔

وہ ازحد حیران ہوا۔ "ہائیں' صرف اماں کے لیے۔"

"ہاں' جو دعائیں وہ خوش ہو کر مجھے دیں گی وہی میرا سرمایہ ہوگا۔"

واثق کے ابا' اماں تو بے حد شکریہ ادا کررہے تھے۔ اماں کے سامنے جھکے جارہے تھے۔ ان کی وجہ سے یہ پہاڑ سا بوجھ ہلکا ہوا تھا۔ فرشتۂ رحمت بن کر آئی تھیں۔ اب وہ بے فکری سے حج پر جاسکیں گے۔

رخصتی کے وقت اماں' دلہن کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر دروازے سے باہر آرہی تھیں' تو ان کی چال میں بڑا بانکپن تھا۔ جیسے وہ کوئی سلطنت فتح کرکے آئی ہیں۔ الطاف گاڑی سجا کر لایا تھا۔ معظم کے ہاتھ میں اسٹیرنگ تھا۔ اعظم ان کے ساتھ تھا۔ اماں دلہن کو لے کر پیچھے بیٹھی تھیں اور سارے محلے کے لڑکے گاڑی کے آگے بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ ڈھول والا بھی ساتھ دے رہا تھا۔

"یار اعظم! تمہارے دوستوں نے تو خاصی رونق لگادی' میں تو سمجھ رہا تھا بڑی روکھی پھیکی شادی ہوگی۔ مگر یہ تو خاصا میلہ لگا ہوا ہے' کوئی کمی نہیں ہے۔"

معظم گاڑی بہت آہستہ چلا رہا تھا۔ کیونکہ ڈانس کرنے والوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اعظم کی ہردل عزیزی مسلم تھی' جب یہ لوگ گاڑی میں بیٹھ گئے تھے' گاڑی روانہ ہوئی تو سارے مہمان بھی چلے گئے' باقی گاڑی کے ساتھ چلنے لگے۔

اعظم نے غور کیا' اپنے گیٹ پر واثق اکیلا ہی کھڑا تھا۔ بالکل اکیلا۔ آہستہ آہستہ بارات کا جلوس گھر کے سامنے پہنچا۔ تو شادی کے شرکاء پہلے ہی اعظم کے گھر پہنچ چکے تھے۔

خصوصاً" خواتین دلہن کے استقبال کے لیے پھول لیے کھڑی کچھ گا رہی تھیں۔

پہلی بار معظم کو ترانہ کی کمی محسوس ہوئی۔ خیال تو آتا تھا۔ جب بھی اخراجات کے سلسلے میں اس کا ہاتھ جیب میں جاتا' ترانہ یاد آتی' اس کی موجودگی میں اس آسانی اور سکون سے وہ خرچ نہیں کرسکتا تھا' آسانی کیا۔ وہ کر ہی نہیں سکتا تھا' ہنگامہ فساد' اور الزامات کی لمبی فہرست اور اس کی خاموشی۔

ذہن سے یہ خیال جھٹک کر وہ اعظم کو مسکرا کر دیکھنے لگا۔ خوشی کے موقع پر وہ بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔ گو کہ اعظم کے چہرے پر وہ جوش اور مسرت مفقود تھی' جو تمام شرکاء کے چہروں اور آنکھوں سے ظاہر تھی' اندر گھر میں لڑکیاں ڈھول پیٹ رہی تھیں۔ بے ہنگم شور' لڑکیوں نے تو جیسے اندر گانوں کے مقابلوں کے ساتھ ڈانس کا محکمہ بھی سنبھالا ہوا تھا۔

"اماں! لڑکیاں کہاں سے آگئیں' ہیں کون یہ؟"

معظم حیران' اعظم بدمزہ' اماں نہال و نہال۔

"ارے محلے کی ہیں اپنی بچیاں۔" اماں کہہ کر پورا جلوس لیے اندر داخل ہوئیں۔

"تم لوگ رات کو دیر سے آتے ہو' یہ آکر گا بجالیتی ہیں' خوشیاں مناتی ہیں' گھر میں رونق ہوجاتی ہے۔"

اعظم بے زار' ہونہہ' یہ کس مد میں خوشی مناتی ہیں' ترانہ کے بارے میں سوالات کے جواب معظم خود ہی دیتا تھا۔ اکلوتی بھابھی' جتنے منہ اتنے سوالات اور قیاس آرائیاں۔

وہ شور سے گھبرا کر باہر آیا۔ سب دوستوں کا شکریہ ادا کیا۔ معظم بھی آگیا۔ ایک بار پھر سے بھنگڑا ڈالا گیا۔ اعظم اور معظم کو بھی نہیں بخشا۔ بارے گھر کے سب مہمان بھی رخصت ہوئے اور گلی سے بھی۔ اماں ابھی تک دلہن کو کلیجے سے لگائے بیٹھی تھیں۔ ہائے، معظم سونے چلا گیا۔ وہ بھی اپنے کمرے میں آگیا۔ ہار اتار کر میز پر ڈالا، شیروانی کرسی کی پشت پر پھینکی، جوتے اچھالے اور دھپ سے بستر پر گرا۔

اب آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دینا تھا، بہت سوچ بچار، غور و خوض کے بعد طے کیا، مجھے ایک سخت گیر شوہر کا کردار ادا کرنا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ ترانہ بننے کی کوشش کرے، اس کے کسی شکوے، شکایت پر کان دھرنے کے بجائے، اس سے ہر وقت شکوہ کرنا، ڈانٹ ڈپٹ ایک بار روزانہ، بے زاری کا اظہار، بغیر کچھ خرچ کے شادی، جس کی ذرا بھی ضرورت نہ تھی، معظم بھائی کا قرض کیسے ادا ہوگا، ان کے احسان کا بدلہ، قرض تو خیر قسطوں میں ادا ہو ہی جائے گا۔ آخر جاب تو مل گئی ہے۔ بقول اماں کے اس کے نصیب سے۔ واہ۔ محنت میری، نصیب اس کا۔ اماں بغیر آہٹ کے اندر آگئی تھیں۔ اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ اٹھ کھڑا ہوا۔ اماں سے لپٹ گیا۔ یہ اماں کی ہی محبت اور ہمت تھی کہ اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دے کر چاق چوبند نظر آرہی تھیں۔

چار دن پہلے اور آج کی اماں میں کافی فرق ہوگیا تھا۔ کتنی کمزور، نحیف اور پژمردہ سی تھیں۔ اور آج، اس کمزور جثے میں اتنی طاقت آگئی کہ بارات کا انتظام، سب کو لے جا کر وہاں بیٹھی رہیں۔ گھر آکر بھی ابھی تک جاگ رہی ہیں۔ چہرے پر بحالی ہے تازگی ہے، ورنہ وہ تو بیٹھے بیٹھے تھک جاتی تھیں۔ یہ قوت کہاں سے آئی، سوال کر بیٹھا۔

"خوشی، اور اطمینان اور امید۔" وہ بہت پُراعتماد تھیں۔

"معظم بھائی کی شادی پر بھی خوش تھیں۔ پھر کمزور ہوتی گئیں۔"

"اب ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔" اماں مسکرائیں۔ "کیونکہ اس بچی سے میرا پہلا رشتہ آج بنا ہے۔ کسی پرخاش کا تعلق نہیں ہے۔ اعظم! تم نے نوٹ کیا۔ معظم کتنا خوش ہے۔ ترانہ کی موجودگی میں وہ نہ تو ہنستا تھا نہ بے فکری سے خرچ کر سکتا تھا۔ میاں، بیوی میں اعتماد کا رشتہ نہ ہو، تو ماحول بھی تلخ، آدمی خوف زدہ، اس نے ترانہ کی غیر حاضری کا نوٹس نہیں لیا۔ اسے پروا نہیں ہے، وہ آج کے ماحول میں آزادی کے ساتھ خوشی منا رہا ہے۔"

ماں بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ اعظم کو غور سے دیکھا۔ شاید اس کے دل میں اتر کر غور کیا۔

"اعظم! تم خوش تو ہو؟ بیٹا مجھے یقین ہے۔ تم خوش رہوگے۔"

اعظم چپ تھا۔ خوش نہیں، تو ناخوش بھی نہ تھا۔ کوئی الٹی سیدھی بات کرنا، اماں کو تکلیف پہنچانے کی، انہیں ناخوش کرنے کی کوشش ہوتی۔ وہ یہ جرم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ صرف ماں کی خوشنودی سب سے بڑھ کر تھی۔

"اعظم! دیکھو اللہ کی مدد سے اتنا بڑا کام کس سہولت سے ہوگیا۔ اب اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور اس لڑکی کے لیے اپنے دل کو کشادہ کرلو۔ اچھی لڑکی ہے۔ واثق کی امی اس قدر تعریفیں کرتی ہیں۔ اگر وہ ایسی نہ ہوتی تب بھی میں اسے ہی بہو بناتی۔"

"اگر وہ اتنی ہی اچھی ہے، تو انہوں نے اسے اپنی بہو کیوں نہ بنایا۔" وہ جز بز ہوا۔

"واثق راضی نہ ہوا، مجبوری تھی۔" اماں کی معصومیت۔

"اچھا۔ ان کے بیٹے نے ریجیکٹ کر دیا، تو میں نظر آیا، وہ بیٹے کو سمجھا نہیں سکتی تھیں؟ بیٹا تھا ان کا۔"

"میرا بیٹا اطاعت شعار اور فرماں بردار ہے، ان کا نافرمان۔"

"اور اگر۔۔۔ وہ بد طینت ہوئی؟ ترانہ جیسی؟"

"میری قسمت اتنی کھوٹی نہیں ہے، اور اگر یہ اسی طرح ہوا، تب بھی مجھے یقین ہے میرا بیٹا میرا مان رکھے

گا۔ اعظم، معظم نہیں بنے گا۔"

اعظم تڑپ گیا۔ اماں اس طرح۔۔۔ سوچ سکتی ہیں، وہ معظم نہیں ہے۔ بیوی کے سامنے کمزور، ڈبو لا چار۔

"اماں! میں ایسا نہیں ہوں۔ شادی کے لیے مانا کہ نہیں۔" اماں کے وجود میں ماممتا کی گرمی تھی۔

"اچھا۔ احسان نہ جتا۔" اماں کے لبوں پر شوخ مسکراہٹ تھی۔ "اللہ خوش رکھے، اب دلہن کو بھیجتی ہوں، اور لو، یہ انگوٹھی رکھ لو، اسے پہنا دینا۔"

"کیوں؟ میں کیوں؟ آپ ہی۔۔۔" بدک کر پیچھے ہوا۔

اماں نے زبردستی ڈبیہ اس کی ہتھیلی پر رکھی۔ "تمہیں بھی کچھ دینا ہے کہ خالی ہاتھ منہ دیکھو گے؟ دستور ہے بیٹا!"

(اور اس کی کرخت یا پتا نہیں کیسی آواز سننی ہے۔ یہ کہاں کا دستور ہے؟)

"شوہر کی طرف سے پہلے تحفے کی بہت قدر ہوتی ہے۔ پہلا تحفہ ساری زندگی یاد رہتا ہے۔ اس کے عوض وہ پوری زندگی اپنی محبت کا گلدستہ پیش کرتی ہے۔"

"انگوٹھی سے محبت کے عوض؟"

"اچھا اب مجھے نیند آرہی ہے۔ تمہیں دیکھنے آئی تھی کہ سو تو نہیں گئے۔ ذرا نرمی سے، محبت سے بات کرنا۔ تم جتنی چاہت دوگے، بدلے میں دگنی محبت ملے گی بیٹا! چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ بھیجتی ہوں دراصل بے چاری تھکی ہوئی ہے، دودھ پلا کر لٹا دیا تھا اسے۔"

"تھکن کاہے سے ہوگئی۔ پہاڑ لاد کر لائی ہے اپنے سر پر، آپ بھی اماں!" اماں اس کے سر پر چپت رسید کرکے چلی گئیں۔ ان کی چال ہی بدل گئی تھی۔ لگتا تھا خوشی کے مارے پیر زمین پر نہیں ٹک رہے۔ اوپر ہی اوپر، تیرتی ہوئی، اڑتی ہوئی جا رہی ہیں، اسے ہنسی آگئی۔ آواز سن کر مڑ کر دیکھا۔

"اعظم! ہنسا کیوں؟ میرا مذاق اڑا رہا ہے؟"

"او نہیں، توبہ، مگر آپ کی شاہانہ چال دیکھ کر سوچ رہا ہوں کوئی شعر کہوں۔"

"میری چال، میری نئی بہو کی دی ہوئی ہے، نخریہ چال۔" اماں کی شوخی۔

"اُف۔" سر پر ہاتھ مار کر بستر پر جا گرا۔ "آپ ابھی سے دماغ خراب کر دیں اس کا۔"

وہ اس ناگہانی آفت کے بارے میں سوچنے لگا۔ جسے سب شادی کا نام دے رہے ہیں۔ واثق بہت خوش تھا۔ بلا ٹلی تھی اس کے سر سے، اور وہ بلا اب اعظم کا نصیب تھی۔

"اعظم، اعظم!" اماں پکار رہی تھیں۔

"ارے اعظم! آکر دلہن کو لے جاؤ۔" (کیا سر پر بٹھا کر لانا ہے۔)

دھپ دھپ کرتا وہ اماں کے کمرے میں پہنچا۔ اماں اور دلہن دونوں دروازے میں کھڑی تھیں۔

"بھول گئی تھی میں، یہ تو کبھی آئی نہیں تھی۔ تم لے جاؤ، جاؤ بیٹا!"

بڑا پیار تھا لہجے میں، مگر یہ پیار بیٹے کے لیے نہیں اس نئی ہستی کے لیے تھا۔

"یہ اماں اس کا دماغ خراب کرکے رہیں گی۔ نہ ترانہ بنی، تو کچھ اور چیز بن جائے گی۔" کراہتا ہوا برآمدے کے در پر کھڑا ہو گیا، اماں ہاتھوں سے گردن اور آنکھوں سے نہ جانے کیسے اشارے کر رہی تھیں۔ وہ اس اشارے بازی کو سمجھ نہ سکا۔ "کیا کروں اب؟ یہ تو ٹس سے مس نہیں ہوتی۔" وہ شدید بھنایا ہوا تھا۔ اوپر سے اب اماں کی ایک اور فرمائش نے دماغ گھما دیا۔

"ارے، اٹھا گود میں، اٹھا کر لے جا، کمرے میں۔"

"گود میں؟" حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ہاں۔۔۔ معظم بھی تو ترانہ کو گود میں لے کر اندر آیا تھا۔ بیٹا ساری عمر بوجھ اٹھاتا ہے۔ یہ عہد ہے، اس لیے پہلے دن گود میں اٹھاتے ہیں۔"

اماں کی یادداشت، اُفوہ، وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"میں چل کر جا سکتی ہوں۔" یہ اس سرخ دوپٹے سے پھنسی ہوئی مردانہ آواز جاری ہوئی۔

"ہونہہ۔۔۔ محترمہ سمجھ رہی ہیں میں انہیں گود میں اٹھا ہی لوں گا جیسے۔" آواز تھی، یہ آواز اسی کی تھی۔ بھرائی ہوئی۔ وہ آگے چل رہی تھی۔ اعظم مردہ چال

سے پیچھے تھا۔ پھر وہ اس کھلے دروازے سے کمرے میں داخل ہوگئی۔ درمیان میں رک کر نظریں گھمائیں۔
کمرہ یوں تو خاصا فراخ اور روشن تھا۔ لیکن محترمہ کے جہیز کے ڈبل بیڈ' دو عدد سوٹ کیسوں' ایک پیٹی' جس میں اماں کے خیال سے چادریں' تولیے وغیرہ ہوں گے۔ اور شاید ڈنر سیٹ کا بڑا کارٹن' بیڈ کے دوسری جانب رکھے اس سامان کی وجہ سے کمرہ تنگ ہوگیا تھا۔ بیڈ کے دوسری جانب رکھے اس سامان کی ترتیب کچھ ایسی تھی کہ اب ادھر قدم رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ چپ چاپ کھڑی تھی۔

دوپٹے کی آڑ میں اس کا چہرہ خاصا جاذب نظر تھا۔

(کاش! کہ آواز بھی اچھی ہوتی)

"یہ میرا کمرہ ہے۔ بیڈ کے اس طرف تمہارا سامان ہے' کپڑوں کا سوٹ کیس بھی ادھر ہے۔ سامنے واش روم ہے۔"

خیالات کی یلغار سے بچنے کے لیے بول پڑا۔ کہیں اس کی شخصیت کا اثر نہ ہوجائے۔ کھڑکی کی طرف جانے کے لیے اسے اعظم کے سامنے سے گزرنا پڑا۔

اس کے لباس کی سرسراہٹ خاصی دلفریب اور دلچسپ تھی۔ وہ سوٹ کیس اس تنگ راستے سے کھلے علاقے میں لانے کے لیے زور لگا رہی تھی۔ مگر سوٹ کیس بھاری تھا۔ اوپر سے اعظم کی نظریں پیٹھ میں چبھ رہی تھیں۔ ہاتھوں سے کھل سکا۔ نہ اٹھایا گیا۔ تب اعظم اس کی مدد کو آیا۔ سوٹ کیس خاصا بھاری تھا' بیڈ پر رکھ دیا۔

"پتھر بھر کر لائی ہو؟"

خوامخواہ چڑچڑا ہو رہا تھا۔ اس نے کپڑے نکالے اور واش روم کی طرف بڑھی۔ لباس کی سرسراہٹ کے ساتھ چوڑیوں کی کھنکھناہٹ سنگت دے رہی تھی۔

"کہتے ہیں شادی زندگی میں تبدیلی لاتی ہے۔ پتا نہیں میری زندگی میں تبدیلی خوش گوار ہوگی یا میں اس ناگہانی تبدیلی پر جلتا کڑھتا رہوں گا' بیروزگار۔"

واش روم سے اپنا اتارا ہوا سرخ رنگ کا بھاری جوڑا ہاتھوں پر اٹھائے' سادہ سے آسمانی کپڑوں میں ملبوس وہ باہر آئی۔

"پتا نہیں آسمانی یا فیروزی یا سبزی مائل کون سا رنگ ہے۔ اف اب رنگوں کو بھی پہچاننا ہوگا۔ دھلا ہوا چہرہ' صرف کاجل کی تحریر کے ساتھ۔ ایک ہاتھ میں وہ زیورات تھے جو وہ کچھ دیر پہلے پہنے ہوئے تھے۔ یونہی ادھر ادھر نظریں دوڑا رہی تھی۔ کافی خوب صورت لگ رہی تھی۔

"یہ... سامنے الماری ہے' اس میں رکھ لو' کل اور سامان بھی رکھ لینا اس میں۔ مجھے تو ایک خانہ کافی ہوگا۔ میرے پاس کچھ ہے بھی نہیں۔ سامان تو عورتوں کا ہوتا ہے' فضول کباڑ' جوتے سینڈل اور میک اپ کی واہیات اٹرم بیٹرم۔"

خوامخواہ بغیر خواہش کے بول رہا تھا۔ توجہ اس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش' اس اثنا میں وہ الماری کے پٹ کھول چکی تھی' اور... اس غریب کے پاس تو کچھ تھا ہی نہیں۔ اسی لیے پوری الماری' کھچا کھچ' ڈزا ڈز کا نقشہ پیش کر رہی تھی' اور ایک جنبش ہوتے ہی کتنی چیزیں پھسل پھسل کر نیچے گر رہی تھیں' اوہو' بھول گیا' دوستوں نے کمرے کی صفائی کا خاص خیال رکھتے ہوئے' باہر کی فضول اشیا الماری میں ٹھونس دی تھیں۔ شرمندگی سر کھجانے پر مجبور کر رہی تھی۔

آگے آکر اس نے درمیانی خانہ صاف کرنے کی کوشش کی' چیزیں نکال کر کسی پر میز پر رکھیں۔ بقیہ خانے خود بخود صاف ہوتے رہے۔ چیزیں فرش پر گر رہی تھیں۔ بارے ایک خالی خانے میں زیورات اور سوٹ اندر رکھنے کے بعد پٹ بند کرنے چاہے تو نیچے گری ہوئی چیزیں آڑے آئیں۔ مزید شرمندگی' وہ نیچے سے چیزیں اٹھانے لگا' وہ بھی مدد کے لیے بڑھی' بینیٹ' تولیہ' ٹیبل لیمپ' بنیان اور سب ہی کچھ۔

ایک وقت ایسا آیا کہ چیزیں اٹھا کر میز پر رکھنے کے دوران سر کی ٹکر ہوگئی' وہ ہاتھ کی اشیا زمین پر چھوڑ کر کھڑا ہو کر ماتھا دبانے لگا۔ (اس کا) وہ پہلے ہی اٹھ گئی تھی' پھر ہنسی آگئی۔ الماری کے پٹ ابھی کھلے ہوئے تھے' اور وہ ہنس رہے تھے۔ پھر کسی طور الماری بند کی

گئی اب اندر کی چیزیں اوجھل تھیں۔
"کل یہ پیٹی اور سوٹ کیس اماں کے کمرے میں رکھوا دیں گے' میں الماری خالی کر کے۔" آئندہ کے منصوبے بناتے ہوئے وہ بھول چکا تھا' کہ یہ ناپسندیدہ' ناگہانی شادی کس طرح ذہن کو بوجھل کیے ہوئے تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح حسب معمول اٹھ کر واش روم میں گھس گیا' اندر جانے سے پہلے دیکھ چکا تھا کہ رات کی وہ کرسی میز اور کارپٹ پر پڑی تمام چیزیں موجود ہیں۔
اماں کے کمرے میں محفل جمی تھی' عزیزہ خالہ معظم بھائی اور اماں' ناشتا ہو رہا تھا' عزیزہ خالہ اور دلہن بیگم بے تکلفی کے ریکارڈ قائم کر رہی تھیں' ناشتا دلہن بیگم نے بدست خود بنایا تھا۔ خستہ پراٹھے' آملیٹ' گرم چائے' عرصہ کے بعد مکمل ناشتا ملا تھا۔ تعجب تو یہ تھا کہ پہلے دن ہی کچن سے آگہی اور سب چیزیں کیسے ملیں۔ خود اعظم چائے بنانے جاتا تو چائے کی پتی' چینی کی تلاش میں خاصا وقت لگ جاتا تھا۔ اسے کیونکر سب کچھ مل گیا۔ آٹا' گھی' تیل' پیاز' چینی' پتی اور فرائنگ پین۔
"میں نے آج آفس کی چھٹی کر لی ہے۔" معظم ناشتا کرنے میں مگن تھا۔
"بھئی۔ لوگ مبارک باد کے لیے آئیں گے۔"
معظم کا فیصلہ درست تھا۔ دن میں کافی لوگ آئے۔ دونوں بھائی اٹینڈ کرتے رہے' خواتین اماں کے پاس آتی رہیں۔ دوپہر میں جو جو لوگ موجود تھے' انہوں نے کھانا بھی کھایا۔ کھانا کہاں سے آیا' کس نے بنایا۔ یہ کسی نے سوچا نہیں۔
اعظم کے دوستوں نے گلی میں پھر سے ڈانس پارٹی کا اہتمام کیا' خوب ہلا گلا ہوا' اعظم نے اسٹور سے چھٹی نہیں کی۔ وہ تیاری کرنے لگا' معظم نے اماں سے کہہ دیا۔ "شام کا کھانا بازار سے آجائے گا' فکر نہ کریں۔"
"لو۔ بازار سے کیوں آئے گا' دوپہر کا بچا ہوا کافی رکھا ہے۔"
"دوپہر کو کہاں سے آیا تھا۔ واثق کے ہاں سے؟"
"نہیں' گھر میں بنا تھا۔"
"اچھا عزیزہ خالہ بھی خوب ہیں' انہوں نے خود بنایا تھا کیا؟"
"عزیزہ کیوں بناتی' میری بہو نے بنایا تھا۔" اماں فخر سے پھول گئیں۔
"کیا؟ پلاؤ اور قورمہ اتنا لذیذ تھا کہ باہر سب پوچھ رہے تھے کس باورچی نے بنایا ہے' میں نے کہا' پوچھ کر بتاؤں گا۔" معظم بے حد خوش تھا۔
"میں کب اس سے بنوانا چاہتی تھی۔ عزیزہ سے کہہ کر مرغیاں اور گوشت منگوایا۔ وہ بچی خود ہی گھس گئی کچن میں' مجھے تو بعد میں عزیزہ نے بتایا۔"
اعظم کو بھی اطلاع دی گئی' وہ چڑ گیا' معظم نے اعظم سے پوچھا۔ "کیا وہ جناتی محترمہ اب محو آرام ہیں؟"
اعظم کندھے اچکا کر رہ گیا اور اسی وقت جناتی محترمہ ٹرے میں چائے لے کر آگئیں۔ معظم کو تو بڑی شرم آئی۔
"تم کچھ دیر آرام کر لیتیں۔" وہ انتہائی ندامت سے پیالی لے رہا تھا۔
"تیں تھکتی نہیں ہوں بھائی جان!" پھٹے ڈھول جیسی آواز' معظم کو پہلا گھونٹ لیتے ہی اچھو ہو گیا۔ (آواز سن کر) صبح وہ حتیٰ الامکان بہت ہی آہستہ بول رہی تھی۔ اندازہ نہیں ہوا تھا۔
"اچھا خیر' اب تم آرام کرو' اعظم کو جانا ہے' اس کے آنے کے بعد سب کھانا کھائیں گے' ٹھیک؟" معظم نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا۔
"جی بھائی جان! برتن خالی ہو جائیں تو دھو کر پھر لیٹوں گی۔" وہ خالی برتن لے گئی۔ تو معظم نے کہا۔
"یار اعظم! لگتا ہے اللہ تم پر مہربان ہے۔ انعام میں یہ جناتی بیوی دی ہے۔ پہلے دن کی کارکردگی اتنی زبردست ہے' ترانہ تو مہینہ بھر کمرے سے نہیں نکلی تھی۔"
اعظم کو تعریف زیادہ پسند نہیں آئی' منہ بنا کر اماں

سے پوچھ لیا۔
"ان کے گھر سے کوئی لینے نہیں آیا۔ دستور کے مطابق' جیسا کہ ہوتا ہے' آپ تو بہت رسم و رواج کی پابند ہیں۔"
"خالہ' خالو آئے تھے' میں نے جانے نہیں دیا۔"
"کیوں؟ انہوں نے مان لیا؟ گھر سے نکالنے کا منصوبہ کامیاب ہو گیا۔"
"ارے وہ حج پر جانے والے ہیں۔ عزیزوں سے ملنے ملانے جا رہے تھے۔ صبح نکلتے ہیں۔ شام کو گھر میں گھستے ہیں' بتا رہے تھے' بچی گھر میں اکیلی کیا کرتی۔"
"اماں بھی کمال کرتی ہیں۔ تین سال سے ان کے گھر رہ رہی تھی۔ اکیلی دکیلی' وہ اس کے وارث ہیں' پتا نہیں کیا سمجھے ہوں گے۔"
"کہنے لگے۔ اب آپ ہی سب کچھ ہیں' انہیں اعتراض ہوتا تو اصرار کرتے۔"
"واہ اماں! ایک ہی دن میں آپ سب کچھ ہو گئیں۔ خالہ! خالو اجنبی' پرائے۔"
"چل ہٹ جا اپنے اسٹور' بحث نہ کر۔" اماں کو اعظم کا لہجہ پسند نہ آیا۔
معظم نے کھڑے ہو کر اعظم کو تھپکا۔ "اچھا چلو تم' صبح خود ملوانے لے جانا۔" اسے دھکیلتا ہوا معظم باہر نکلا۔
اماں سوچ میں پڑ گئیں۔ "اعظم کس بات پر ناراض ہے۔ کہیں بیوی کے پہلے ہی دن کام کرنے پر خفا تو نہیں ہو گیا؟ یا گھر پر روک لینا برا لگا ہے' ارے ایک ہی دن تو ہوا ہے' اور میرا بیٹا ماں سے بدظن ہو گیا۔ کیا یہ بھی اب ہاتھوں سے نکل جائے گا؟ ترانہ کچھ بھی کرے' معظم تو مجھ سے جواب طلبی نہیں کرتا۔ کیا میں یہ بازی بھی ہار گئی؟"
سر تھام کر بستر پر گر گئیں۔ جسم سے جان کھنچتی ہوئی لگ رہی تھی۔ حوصلہ' ہمت' جس کے بل پر ابھی تک کام چلا رہی تھیں۔ جیسے کہیں دور بھاگا جا رہا تھا' نظر سے اوجھل نہ ہو جائے۔ ہاتھ بڑھا کر ان غیر مرئی جذبے کو پکڑنا چاہا' تو سر تک انگلیاں پہنچ سکیں۔ ذرا سی آہٹ۔ یونہی آنکھیں کھولیں' وہ ان کے بالکل پاس کھڑی تھی۔ جھک کر پوچھنے لگی۔
"اماں! میں آپ کا سر دبا دوں؟"
وہ حیرانی سے دیکھنے لگیں۔ یہ ہی ہے میرا حوصلہ' میری ہمت' طاقت' اس کی اس کرخت آواز میں کیسی مٹھاس تھی۔ لگا جیسے گلوکوز کی کئی بوتلیں جسم میں پہنچ گئیں' کیسی بے ہمتی' اور کیسی ناطاقتی' حوصلہ تو ان کی مٹھی میں تھا۔
"اری بچی۔ ! آ۔ آرام کر لے' پہلا دن ہے' سارا گھر سنبھال لیا' آجا' لیٹ جا۔"
انہوں نے اپنے پاس جگہ بنا کر دعوت دی' وہ فوراً ان کے پہلو میں گھس کر لیٹ گئی۔
"اماں' میں بچی نہیں ہوں' مہرالنسا نام ہے میرا' مہرو کہتے ہیں سب۔"
"اچھا' اچھا۔ چلو' اب سو جاؤ' تھک گئی ہو گی۔"
"نہیں جی' اتنی کمزور نہیں ہوں' وہاں بھی دن بھر کام کرتی تھی' سونے کا کیا کام؟"
اماں کو ہنسی آگئی۔ "طاقت ور کو بھی محنت کے بعد آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔"
"اصل میں' مجھے دن میں سونے کی عادت نہیں۔" مگر اس نے اماں کی کمر میں بازو ڈال دیے۔

☼ ☼ ☼

اعظم رات کو دس بجے گھر آیا۔ ساس' بہو دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دوسرے سے لپٹی سو رہی تھیں۔
"کیا سین ہے بھئی؟" معظم بھی ہنسنے لگا۔
"آپ کو ہنسی آرہی ہے؟ مجھے غصہ۔" وہ چڑ رہا تھا۔
"غصے کی کیا بات ہے؟ اتنا دلچسپ منظر ہے۔ ساس اور بہو' یعنی شیر اور بکری' شیر و شکر' اب تم انتخاب کرو' بکری کون ہے۔"
یوں لگتا تھا اماں کو زیادہ طاقت مل گئی ہے' ابھی تک تو وہی شیرنی ہوئی تھیں۔ جب موقع ملتا بہو کے لاڈ کرنے لگتیں۔

گئی' اب اندر کی چیزیں اوجھل تھیں۔

"کل یہ پیٹی اور سوٹ کیس اماں کے کمرے میں رکھوا دیں گے' میں الماری خالی کر کے۔" آئندہ کے منصوبے بناتے ہوئے وہ بھول چکا تھا' کہ یہ ناپسندیدہ' ناگہانی شادی کس طرح ذہن کو بوجھل کیے ہوئے تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح حسب معمول اٹھ کر واش روم میں گھس گیا' اندر جانے سے پہلے دیکھ چکا تھا کہ رات کی وہ کرسی میز اور کارپٹ پر پڑی تمام چیزیں موجود ہیں۔

اماں کے کمرے میں محفل جمی تھی' عزیزہ خالہ معظم بھائی اور اماں' ناشتا ہو رہا تھا' عزیزہ خالہ اور دلہن بیگم بے تکلفی کے ریکارڈ قائم کر رہی تھیں' ناشتا دلہن بیگم نے بدست خود بنایا تھا۔ خستہ پراٹھے' آملیٹ' گرم چائے' عرصہ کے بعد مکمل ناشتا ملا تھا۔ تعجب تو یہ تھا کہ پہلے دن ہی کچن سے آگہی اور سب چیزیں کیسے ملیں۔ خود اعظم چائے بنانے جاتا تو چائے کی پتی' چینی کی تلاش میں خاصا وقت لگ جاتا تھا۔ اسے کیونکر سب کچھ مل گیا۔ آٹا' گھی' تیل' پیاز' چینی' پتی اور فرائنگ پین۔

"میں نے آج آفس کی چھٹی کر لی ہے۔" معظم ناشتا کرنے میں مگن تھا۔

"بھئی۔ لوگ مبارک باد کے لیے آئیں گے۔"

معظم کا فیصلہ درست تھا۔ دن میں کافی لوگ آئے۔ دونوں بھائی اٹینڈ کرتے رہے' خواتین اماں کے پاس آتی رہیں۔ دوپہر میں جو جو لوگ موجود تھے' انہوں نے کھانا بھی کھایا۔ کھانا کہاں سے آیا' کس نے بنایا۔ یہ کسی نے سوچا نہیں۔

اعظم کے دوستوں نے گلی میں پھر سے ڈانس پارٹی کا اہتمام کیا' خوب ہلا گلا ہوا' اعظم نے اسٹور سے چھٹی نہیں کی۔ وہ تیاری کرنے لگا' معظم نے اماں سے کہہ دیا۔ "شام کا کھانا بازار سے آجائے گا' فکر نہ کریں۔"

"لو۔ بازار سے کیوں آئے گا' دوپہر کا بچا ہوا کافی رکھا ہے۔"

"دوپہر کو کہاں سے آیا تھا۔ واثق کے ہاں سے؟"

"نہیں' گھر میں بنا تھا۔"

"اچھا عزیزہ خالہ بھی خوب ہیں' انہوں نے خود بنایا تھا کیا؟"

"عزیزہ کیوں بناتی' میری بہو نے بنایا تھا۔" اماں فخر سے پھول گئیں۔

"کیا؟ پلاؤ اور قورمہ اتنا لذیذ تھا کہ باہر سب پوچھ رہے تھے کس باورچی نے بنایا ہے' میں نے کہا' پوچھ کر بتاؤں گا۔" معظم بے حد خوش تھا۔

"میں کب اس سے بنوانا چاہتی تھی۔ عزیزہ سے کہہ کر مرغیاں اور گوشت منگوایا۔ وہ بچی خود ہی گھس گئی کچن میں' مجھے تو بعد میں عزیزہ نے بتایا۔"

اعظم کو بھی اطلاع دی گئی' وہ چڑ گیا' معظم نے اعظم سے پوچھا۔ "کیا وہ جناتی محترمہ اب محو آرام ہیں؟"

اعظم کندھے اچکا کر رہ گیا اور اسی وقت جناتی محترمہ ٹرے میں چائے لے کر آگئیں۔ معظم کو تو بڑی شرم آئی۔

"تم کچھ دیر آرام کر لیتیں۔" وہ انتہائی ندامت سے پیالی لے رہا تھا۔

"میں تھکتی نہیں ہوں بھائی جان!" پھٹے ڈھول جیسی آواز' معظم کو پہلا گھونٹ لیتے ہی اچھو ہو گیا۔ (آواز سن کر) صبح وہ حتی الامکان بہت ہی آہستہ بول رہی تھی۔ اندازہ نہیں ہوا تھا۔

"اچھا خیر' اب تم آرام کرو' اعظم کو جانا ہے' اس کے آنے کے بعد سب کھانا کھائیں گے' ٹھیک؟" معظم نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا۔

"جی بھائی جان! برتن خالی ہو جائیں تو دھو کر پھر لیٹوں گی۔" وہ خالی برتن لے گئی۔ تو معظم نے کہا۔

"یار اعظم! لگتا ہے اللہ تم پر مہربان ہے۔ انعام میں یہ جناتی بیوی دی ہے۔ پہلے دن کی کارکردگی اتنی زبردست ہے' ترانہ تو مہینہ بھر کمرے سے نہیں نکلی تھی۔"

اعظم کو تعریف زیادہ پسند نہیں آئی' منہ بنا کر اماں سے پوچھ لیا۔

"ان کے گھر سے کوئی لینے نہیں آیا۔ دستور کے مطابق' جیسا کہ ہوتا ہے' آپ تو بہت رسم و رواج کی پابند ہیں۔"

"خالہ' خالو آئے تھے' میں نے جانے نہیں دیا۔"

"کیوں؟ انہوں نے مان لیا؟ گھر سے نکالنے کا منصوبہ کامیاب ہو گیا۔"

"ارے وہ حج پر جانے والے ہیں۔ عزیزوں سے ملنے ملانے جا رہے تھے۔ صبح نکلتے ہیں۔ شام کو گھر میں گھستے ہیں' بتا رہے تھے' بچی گھر میں اکیلی کیا کرتی۔"

"اماں بھی کمال کرتی ہیں۔ تین سال سے ان کے گھر رہ رہی تھی۔ اکیلی دکیلی' وہ اس کے وارث ہیں' پتا نہیں کیا سمجھے ہوں گے۔"

"کہنے لگے اب آپ ہی سب کچھ ہیں' انہیں اعتراض ہوتا تو اصرار کرتے۔"

"واہ اماں! ایک ہی دن میں آپ سب کچھ ہو گئیں۔ خالہ! خالو اجنبی' پرائے۔"

"چل ہٹ جا اپنے اسٹور' بحث نہ کر۔" اماں کو اعظم کا لہجہ پسند نہ آیا۔

معظم نے کھڑے ہو کر اعظم کو تھپکا۔ "اچھا چلو تم' صبح خود ملوانے لے جانا۔" اسے دھکیلتا ہوا معظم باہر نکلا۔

اماں سوچ میں پڑ گئیں۔ "اعظم کس بات پر ناراض ہے۔ کہیں بیوی کے پہلے ہی دن کام کرنے پر خفا تو نہیں ہو گیا؟ یا گھر پر روک لینا برا لگا ہے' ارے ایک ہی دن تو ہوا ہے' اور میرا بیٹا ماں سے بدظن ہو گیا۔ کیا یہ بھی اب ہاتھوں سے نکل جائے گا؟ ترانہ کچھ بھی کرے' معظم تو مجھ سے جواب طلبی نہیں کرتا۔ کیا میں یہ بازی بھی ہار گئی؟"

سر تھام کر بستر پر گر گئیں۔ جسم سے جان کھنچتی ہوئی لگ رہی تھی۔ حوصلہ' ہمت' جس کے بل پر ابھی تک کام چلا رہی تھیں۔ جیسے کہیں دور بھاگا جا رہا تھا' نظر سے اوجھل نہ ہو جائے۔ ہاتھ بڑھا کر ان غیر مرئی جذبے کو پکڑنا چاہا' تو سر تک انگلیاں پہنچ سکیں۔ ذرا سی آہٹ۔ یونہی آنکھیں کھولیں' وہ ان کے بالکل پاس کھڑی تھی۔ جھک کر پوچھنے لگی۔

"اماں! میں آپ کا سر دبا دوں؟"

وہ حیرانی سے دیکھنے لگیں۔ یہ ہی ہے میرا حوصلہ' میری ہمت' طاقت' اس کی اس کرخت آواز میں کیسی مٹھاس تھی۔ لگا جیسے گلوکوز کی کئی بوتلیں جسم میں پہنچ گئیں' کیسی بے ہمتی' اور کیسی ناطاقتی' حوصلہ تو ان کی مٹھی میں تھا۔

"اری بچی۔! آ۔۔۔ آرام کر لے' پہلا دن ہے' سارا گھر سنبھال لیا' آجا' لیٹ جا۔"

انہوں نے اپنے پاس جگہ بنا کر دعوت دی' وہ فوراً ان کے پہلو میں گھس کر لیٹ گئی۔

"اماں' میں بچی نہیں ہوں' مہر النسا نام ہے میرا' مہرو کہتے ہیں سب۔"

"اچھا' اچھا۔۔۔ چلو' اب سو جاؤ' تھک گئی ہو گی۔"

"نہیں جی' اتنی کمزور نہیں ہوں' وہاں بھی دن بھر کام کرتی تھی' سونے کا کیا کام؟"

اماں کو ہنسی آگئی۔ "طاقت ور کو بھی محنت کے بعد آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اصل میں' مجھے دن میں سونے کی عادت نہیں۔" مگر اس نے اماں کی کمر میں بازو ڈال دیے۔

☼ ☼ ☼

اعظم رات کو دس بجے گھر آیا۔ ساس' بہو دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دوسرے سے لپٹی سو رہی تھیں۔

"کیا سین ہے بھئی؟" معظم بھی ہنسنے لگا۔

"آپ کو ہنسی آرہی ہے؟ مجھے غصہ۔" وہ چڑ رہا تھا۔

"غصے کی کیا بات ہے؟ اتنا دلچسپ منظر ہے۔ ساس اور بہو' یعنی شیر اور بکری' شیر و شکر' اب تم انتخاب کرو' بکری کون ہے۔"

یوں لگتا تھا اماں کو زیادہ طاقت مل گئی ہے' ابھی تک تو وہی شیر بنی ہوئی تھیں۔ جب موقع ملتا بہو کے لاڈ کرنے لگتیں۔

"ہائیں' یہ کون سے پھیکے رنگ کے کپڑے پہن لیے' وہ اپنے جہیز کا گلابی سوٹ پہنو' اے بیٹا! ذرا آنکھوں میں کاجل لگاؤ۔ کان میں بالیاں پہنو' تمہارے جہیز کے سونے کے بندے چھوٹے ہیں۔ وہی کانوں میں ڈال لو۔ ویسے تمہیں میک اپ کی ضرورت تو نہیں۔ اللہ نے قدرتی میک اپ کرکے بنایا ہے تمہیں۔ لیکن پھر بھی' ذرا سی لپ اسٹک لگالو' جہیز میں میک اپ کا بکس ہے نا؟"

جہیز کے نام پر اعظم کے آگ لگ جاتی۔

"جہیز۔ جہیز تو اماں پھر آپ ہی نے کچھ بنادیا ہوتا' ہروقت جہیز کا الاپ' اتنی ایمرجنسی میں شادی کا تو پھر یہ ہی نتیجہ ہوتا ہے۔"

اور جب اس نے اماں سے کہہ دیا۔ تو اماں کا جواب بھی سننا پڑا۔

کہ "لڑکے کی بری' بازار میں کھڑی' میرے پاس اتنا پیسہ نہ تھا کہ بری بناتی۔ معظم کی کمائی سے اس کی بری بنائی تھی۔ تم نے کمانا شروع نہیں کیا تھا۔"

اعظم کا دل چاہا اپنے بال نوچے' جب وہ اس قابل نہ تھا۔ تو اس ڈھکوسلے کی ضرورت کیا تھی۔

☼ ☼ ☼

مہو کے خالہ خالو حج کی سعادت حاصل کرنے روانہ ہوئے' ایرپورٹ پر اعظم کو واثق ملا۔

"کہاں غائب ہو ملتے نہیں' کیا سارا وقت گھر میں گھسے رہتے ہو۔"

واثق کے تجسس پر وہ چڑ گیا۔ (اتنی بھی حسین یا دلچسپ نہیں ہیں تمہاری کزن)

"جاب کررہا ہوں۔"

"اچھا۔ پڑھائی چھوڑ دی؟" بے حد مسرت بھرا لہجہ تھا۔

"نہیں۔ امتحان دوں گا۔"

"میرا ارادہ نہیں ہے۔ دراصل تیاری نہیں کرسکا' وقت ہی نہیں ملتا۔"

"کلب کے میچوں کے لیے تو بہت وقت ہے تمہارے پاس۔" طنز تو کرنا پڑا۔

"ہاں' وہ۔ اچھا سناؤ خالہ جی کیسی ہیں۔ چھوٹی بہو جی لگا کر خدمت کرتی ہوگی۔ اماں! سر دبادوں' اماں! پیر دبادوں' کمر سہلا دوں۔" نقل کررہا تھا۔ مضحکہ اڑانے والا انداز تھا۔

"تم نے سنا نہیں۔ خدمت میں عظمت ہے۔"

اس نے جتایا۔

"سنا ہے' دیکھا ہے' اپنی کزن کو ہر کسی کی خدمت کرتے' ہر کسی کے سامنے بچھ بچھ جاتے ہوئے' انکساری' خاکساری کے تمام مواقع آزماتے ہوئے۔"

واثق یوں دانت پیس رہا تھا جیسے کزن کو کچا چبا جائے گا۔ نہ جانے اسے کیوں اتنی نفرت تھی۔ اس کا مسئلہ کیا تھا۔ خود جتنا نکما' ناکارہ' بے عمل تھا' اس کا اسے احساس نہیں۔

تین سال وہ واثق کی نفرت کا شکار رہی؟ آخر کوئی وجہ تو ہوگی۔ کئی دن وہ سوچتا رہا۔ واثق پر اسے غصہ کیوں آیا۔ ان کا آپس کا معاملہ' میرا اس سے کیا تعلق' واثق کو مگر اعظم سے تو اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔ وہ خود بھی مہو کو کسی وقت ذرا سی چھوٹ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔

"میرے کپڑے استری کردیے؟ دھوئے بھی تھے یا صرف استری ہی کافی تھی۔ معظم بھائی کی قمیص۔۔۔ اماں کو رات دودھ دیا تھا؟ کھانا جلدی دیا کرو اماں کو۔ انہیں برداشت نہیں ہے بھوک کی۔ یہ کیا؟ یہ چائے ہے؟ اماں کو زیادہ دودھ کی چائے دیا کرو' کتنی دفعہ بتانا پڑے گا' اتنی زور سے نہ بولا کرو' اماں کو شور کی عادت نہیں۔"

معظم سوچتا۔ میں اس طرح حکمرانی کیوں نہیں کرسکتا۔ میں ترانہ کو اس طرح ٹوک کر اماں کے لیے کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میں اس کے غصے سے ڈر جاتا ہوں۔ ترانہ کچھ بھی کرلے' میری ہمت کیوں نہیں ہوتی غلط بات پر سرزنش کرنے کی۔ یا پھر۔۔۔ ترانہ کی امی کی تلخ گوئی سے ڈر کر بولا نہیں جاتا' ترانہ بھی تو ہر بات ماں گوش گزار کرنے میں لمحے کی دیر نہیں کرتی۔ اور پھر ساس' داماد کے لتے لیتیں۔ وہ ایسی بے عزتی کرتی تھیں۔ شرم سے ڈوب مرنے کو دل چاہتا۔ اور اب تو وہ اپنی بیٹی کو لے کر سیر و تفریح کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ آخر سسرال اور شوہر کے ظلم و ستم سے بچانا ان کا بھی فرض ہے۔

"ترانہ۔۔۔ کس سسرال کے ستم کی ستائی ہوئی ہے؟ میری بے چاری بے زبان اماں' جو کسی کو سخت بات نہیں کہہ سکتیں۔ اعظم یوں بھی برداشت کا عادی' رہ گیا میں' تو میری محبت خوشامد اور فرماں برداری کو (ترانہ کی) وہ ظلم کہتی ہے۔

مہو بھی تو ہے' پورا گھر سنبھالا ہوا ہے۔ معظم کو کبھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ناشتا' کھانا سب کا ساتھ ہوتا۔ معظم کو اپنے کپڑے دھلے ہوئے' استری شدہ ملتے۔ ترانہ کے سامنے کبھی کبھار ہی سب ساتھ کھاتے تھے۔ اس پر بھی وہ اماں کے لقموں کا شمار کرتی رہتی۔ ناشتا جب مرضی بنا کردیتی۔ شاید اسی لیے کچھ عرصے سے اعظم ان کا ناشتا بنا کرلے جاتا' کھانا بھی خود نکال کر انہیں کھلاتا۔ عجیب سی تلخی گھر میں رہتی۔ مہو نہ جانے کس مٹی کی بنی تھی۔ اماں کی سایہ بن گئی تھی۔ ان کے ہاتھ پیر دبانے کے علاوہ ان کا کمرہ صاف ستھرا' درست کرنا۔ الماری میں ترتیب سے کپڑے رکھنا۔ پھر انہیں نہلانے کی ذمہ داری بھی' کام زیادہ' فرصت کم' بولنے پر اعظم نے پابندی لگادی تھی' بات بہت ضروری ہوتی تو دبی زبان سے کرتی۔

اس کی اماں کے لیے توجہ' محبت اور خدمت نے ان کو ہشاش بشاش' صحت مند تو کردیا تھا۔ یہ اس کا احسان تھا۔ اماں بھی اس پر اپنی محبت لٹانے میں کسر نہ چھوڑتیں۔ کاش! ترانہ نے شروع سے ہی اماں سے مخاصمت کی پالیسی اختیار نہ کی ہوتی۔ خود معظم کی خاطر داری بھی اتنی ترانہ نے نہیں کی تھی کبھی۔ اور مہو معظم کے اشارے کی منتظر رہتی۔ آفس سے آتے ہی اسے چائے لاکر دینا۔ معظم کے جوتے اٹھا کر کمرے میں رکھنا اور چپل لاکر دینا' معظم منع کرتا۔

"یہ سب نہ کیا کرو' یہ تمہارا کام نہیں ہے۔"

"آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ اس لیے کرتی ہوں۔"

اور معظم کے پاس اس کی محبت کے جواب میں صرف ستائشی مسکراہٹ ہوتی۔ نہ جانے ترانہ' مہو کے خیال اور توجہ کو کس طرح دیکھے گی۔ کسی کے بارے میں اچھی رائے رکھنا' ترانہ کا مزاج نہ تھا۔ وہ صرف بدگمانی کرسکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

پھر ایک روز وہ اسلام آباد' سوات' فیصل آباد اور لاہور کی سیر کرکے آ ہی گئی۔ پہلے گھر کو جانچا' صاف ستھرا' چمکتا ہوا' اپنا کمرہ بنظر تنقید جائزہ لیا۔ اعتراض کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی۔ گھر کوڑے کرکٹ میں اٹا ہوا۔ گندگی سے بھرا ہوا' کمرہ بے ترتیبی کا شکار ہوگا۔ لڑنے کے لیے' طعنے دینے کے لیے بہت موقعے ہوں گے' لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شد۔

اماں کے کمرے میں جھانکا' واہ' ساس بیگم تو بہترین چادر کے بستر پر محو آرام تھیں۔ ملازمہ ان کے پیر دبا رہی تھی' تو یہ اس ملازمہ کے کمالات ہیں' ذرا چہرہ سائیڈ سے دیکھا۔ خوب صورت' جوان لڑکی نوکر رکھ لی' اتنی خوب صورت' مجھے خبر تک نہ کی۔ دندناتی ہوئی کمرے میں پہنچی۔

"اے' اے لڑکی! کون ہو تم' اٹھو میرے لیے چائے بنا کر لاؤ۔ اترو بھلا۔ (وہ فوراً" پلنگ سے اتری) ہاں' کس نے رکھا ہے تمہیں' معظم نے' تو چلو' میرے لیے چائے لاؤ۔"

تحکمانہ لہجہ تھا' مہو سہم گئی' اماں نے کروٹ بدلی۔ معظم نے بھی مہو کا ڈرا سہما چہرہ دیکھا۔ وہ بھی کمرے میں آگیا۔

"یہ' مہو ہے' بیٹا! سلام کرو' یہ ترانہ ہے۔" اماں نے تعارف کرایا۔

ترانہ نے پھر ڈپٹ کر کہا۔ "تم نے سنا نہیں' کیا کہا ہے میں نے' فوراً" جاؤ' چائے لاؤ میرے لیے' ورنہ

ابھی بستر گول کرو، معظم نے رکھا ہے، تم میری نوکرانی ہو۔"

مہو ابھی اماں کے حکم پر جھک کر قریب آکر سلام کرنے کی کوشش کررہی تھی، ترانہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"اے، اے، کہاں چڑھی چلی آرہی ہو۔ سنا تم نے میں نے کیا کہا؟"

اماں کی نظر معظم پر پڑی۔ (ہمت) "ترانہ! چائے تم خود بھی بنا سکتی ہو۔ اور یہ تمہاری نوکر نہیں، اعظم کی دلہن ہے۔"

ایک بم پھٹا، دوسرا بم پھٹا، اماں کی یہ مجال کہ وہ اس دبنگ لہجے میں اس کی بات کاٹیں اور اعظم کی دلہن؟ دونوں بموں کے صدمے سے چور ترانہ اپنے کمرے کی طرف لپکی۔ معظم پیچھے۔

"ایمرجنسی میں شادی ہوئی۔ میں نے اصرار کیا تھا فوراً" آؤ۔ تم نے کہا میں اپنی فیملی کے ساتھ گئی تھی، ان کے ساتھ آؤں گی۔ آئندہ مجھے بلانے کے لیے فون نہ کرنا، کہا تھا نا تم نے۔"

معظم کی یہ مجال کہ صفائی پیش کرے۔ ترانہ کو شدید صدمہ پہنچ رہا تھا۔

"اور۔۔۔ یہ حادثہ کب پیش آیا؟" وہ دانت پیس کر اعظم کی شادی کی طرف اشارہ کررہی تھی۔

"بیس دن ہوگئے اب تو، بہت اچھی لڑکی ہے۔"

ایک اور دھماکہ۔ ترانہ کے سامنے کسی اور کی تعریف، حواس گم ہورہے تھے۔

"ایک بے روزگار، اسٹوڈنٹ کو بیٹی کس نے دے دی، اعظم نے کوئی چکر چلایا ہوگا۔" دانت پیس پیس کر جبڑے دکھ گئے۔

اسی وقت مہو ٹرے میں چائے لے کر اندر آئی۔

"چائے لے لیں بھابھی!"

دو مگ چائے کے۔ "یہ کیسی چائے ہے؟ دو منٹ میں تیار۔" وہ بدک کر ہٹی۔

"میں نے۔۔۔ بھائی جان کے آتے ہی پانی رکھ دیا تھا۔ چائے بنانے میں تو بس دو منٹ ہی لگتے ہیں۔"

اس کی بھاری مردانہ پھنسی ہوئی گھسی ہوئی آواز۔ ترانہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"یہ تمہاری آواز کو کیا ہوا؟"

"جی۔۔۔ بس۔۔۔ بچپن میں گلا پک گیا تھا۔ آواز پھٹ گئی۔ گلا تو ٹھیک ہوگیا۔ آواز نہیں، علاج نہیں ہوا، کون کراتا۔" بے چارگی سے جواب دیا۔

وہ باہر نکل گئی، ترانہ سر تھام کر بیٹھ گئی "اف کیا خوف ناک آواز ہے، کیسے برداشت کرتے ہیں آپ سب۔"

"ہمیں اس کی آواز سے کیا سروکار۔" معظم نے فوراً" جواب دیا۔ "عمل دیکھنا چاہیے، گھر دیکھا؟ ناشتا، کھانا سب کو عین ٹائم پر مل جاتا ہے۔ سب کا خیال رکھتی ہے۔ اور کیا چاہیے؟"

ترانہ کے دماغ میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ خطرے کا الارم، معظم تو گیا ہاتھ سے، معظم اور اماں کو اچھی طرح عاجز، اور تنگ کرنے کے ارادے سے ہی اس نے اتنا لمبا سفر کیا۔ اپنی قدر کروانے کے خیال سے مہینہ بھر دور رہی، یہاں تو معاملہ ہی پلٹ گیا، لڑنے کے، اپنی اہمیت جتانے کے موقع ہوا میں تحلیل ہوگئے۔ معظم کی آمدنی میں گھر چل رہا تھا۔ اب ایک فرد کی زیادتی برداشت سے باہر ہوگئی۔ اماں سے رائے لی۔ اعظم جب بھابھی کی آمد کا سن کر ملنے آیا تو ترانہ نے بدلحاظی کی انتہا کردی۔

"دیکھو اعظم! تم اب فیملی والے ہو، کما بھی رہے ہو، میرا تمہاری بیوی کے ساتھ گزارا نہیں ہوگا۔ اس کی آواز نے میرے کانوں کے پردوں کے پرخچے اڑا دیے ہیں۔ اس کا علاج کرواؤ، اور میں سیدھی بات کی عادی ہوں۔ صاف بات یہ ہے کہ اب گھر کا بٹوارہ ہوگا۔ آدھوں آدھ زمین بیچ میں دیوار ہوگی۔ سوچ لو۔"

اعظم کے ہوش اڑ گئے۔ یہ بھابھی کیا کہہ گئیں، بٹوارہ، یہ لفظ پاکستان بننے کے وقت سنا تھا۔ یا فلموں میں، گھر کا بٹوارہ ہم کس طرح کریں۔ معظم نے بھی مخالفت کی، سمجھایا، نفع نقصان، دلوں میں دوریاں، ساتھ رہنے کے فوائد، مگر ترانہ اپنے خیال سے ہٹنے کو

تیار نہ ہوئی۔

معظم اور ترانہ کی جم کر لڑائی ہوئی۔ معظم نہ صرف مخالف تھا بلکہ ترانہ کی ہٹ دھرمی پر شرمندہ اور ترانہ، وہ اپنی حاکمیت جتانے کے لیے چیختی چلاتی، پوری آواز سے سب پر رعب جماتی، اس کی باریک چیختی آواز نے سب کو اس کی آواز سے بے زار کردیا تھا۔

اعظم فکرمند تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ معظم زیادہ مقابلہ نہیں کرسکے گا۔ اماں بھی پریشان تھیں۔ موٹی آواز والی نے فیصلہ سنادیا۔

"ان سے کہہ دیں۔ آدھی زمین ان کی، مگر ہم جہاں رہتے ہیں، یہ ہماری ہے، وہ جہاں ہیں وہ ان کی، پھر سوچ کر فیصلہ کریں۔"

ترانہ نے خوش ہو کر فتح کا جشن منایا۔ اگلے دن ہی مزدور آگئے، دیوار اٹھنے لگی، معظم آفس سے آیا۔ تو نقشہ دیکھ کر دل بیٹھنے لگا۔ اماں کی جانب عمارت زیادہ تھی۔ ڈرائنگ، ڈائننگ روم۔ دو بیڈ روم، اوپر چھت پر کمرہ تو نہ تھا۔ ایک برساتی تھی۔ چار جانب در، معظم کی طرف ایک بیڈ روم اور کچن تھا۔ دیوار اٹھنے کے بعد کچن کا مسئلہ بھی تھا۔ جو مہو نے فوری حل کرلیا۔ برآمدے سے دیوار اٹھائی گئی تھی۔ اب برآمدے کا کونا تھا۔ جو کچن بن سکتا تھا۔

مہو نے جست کی پیٹی کھولی۔ ضرورت کے برتنوں کے علاوہ اس میں بہت کچھ تھا۔ چولہا بھی اس میں تھا۔ اعظم نے گیس کی فٹنگ بھی کرلی۔ ابھی یہ کام ہورہا تھا تو معظم نے اماں کے کمرے میں جھانکا۔ وہ اسے دیکھ کر رونے لگیں۔

معظم کچن سے اماں کے سارے برتن اور ڈبے وغیرہ جو بھی پہلے کے تھے لے آیا تھا۔ مہو کو سب برتن دے کر اماں کے پاس بیٹھ کر تسلیاں دیتا رہا۔

"اماں! فکر نہ کریں۔ تھوڑے دن میں اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوجائے گا۔"

"معظم! وہ تم کو مجھ سے ملنے نہیں دے گی۔"

"کس کی مجال ہے روکے، باہر کے باہر آکر مل جایا کروں گا۔ آپ سے دور نہیں رہوں گا۔ یہ یقین کرلیں، اچھا، وہ فریج بھی آگیا ہے، مہو فریج کہاں رکھا جائے گا؟"

کچن کا انتظام بھی ہوگیا۔ برتن آگئے۔ فریج کی جگہ بھی بن گئی۔ اعظم کے امتحان دو دن بعد شروع تھے۔ نئی افتاد اس کو پریشان کررہی تھی۔ معظم نے ہی سمجھایا، تسلی دی، مہو گھر کے معاملے میں تو بہت تیز تھی، مگر اماں کے آنسوؤں کا مداوا اس کے پاس نہ تھا۔

"اماں! ہم ہیں آپ کے پاس۔ آپ روتی کیوں ہیں۔ بھائی جان نے چھوڑا تو نہیں، انہوں نے وعدہ کیا ہے روز آنے کا۔"

"تم نہیں سمجھ سکتیں۔ ترانہ نے یہ کھیل اسی لیے کھیلا ہے۔ معظم کو ہم سے چھڑانے کے لیے، وہ ابھی چپ ہے، مگر۔۔۔ موقع ملتے ہی پینترا بدل کر اصلی روپ دکھائے گی، اور ایک اور فکر ہے۔ وہ معظم کو ایک پیسہ بھی دینے کی روادار نہ ہوگی۔ ہمارا گزارا کیسے ہوگا۔ اعظم کی تنخواہ ہے ہی کتنی، ترانہ ہمیں زندہ نہیں رہنے دے گی۔" اماں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ مہو دوڑ کر اماں سے لپٹی۔

"اماں! کسی انسان کی یہ طاقت نہیں کہ کسی کی جان لے لے اماں! اللہ کے سوا کوئی بااختیار نہیں، وہی ہے جو صحت، زندگی، رزق اور روزی عطا کرتا ہے، فکر نہ کریں، اللہ ضرور مدد کرے گا، بس آپ دعا کریں۔"

جب اماں کا دل قابو میں آیا اور بہو کو پُرامید اور مطمئن دیکھا تو نماز پڑھنے لگیں۔ دعا کے بعد کچھ تسلی ہوئی، تو بہو بیگم نے ایک تجویز پیش کی۔ وہ جانتی تھی اعظم کو سمجھانا اور منانا مشکل ہے۔ ساس کو ہم نوا بنانے کی کوشش کی۔

وہ چپ ہوگئیں۔

شام کو معظم آیا، تو مہو کے اشارے پر اماں نے بہو کی تجویز بتا کر رائے لی۔ معظم نے تالی بجا کر تائید کی اور بہت تعریف کی مگر اعظم سے بات کرنے کی ہمت معظم میں بھی نہ تھی، دراصل ترانہ، معظم کو سمجھانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کررہی تھی۔ ہم صحن میں اپنی مرضی سے کمرے بنوالیں گے۔ ان کی طرف پرانی عمارت

ہے ہمارا گھر نیا نکور ہوگا۔
"نیا گھر نیا گھر مفت میں نہیں بن جاتا۔ بے وقوف عورت۔ رقم کہاں سے آئے گی۔"
"بینک سے قرض لے لیں گے۔"
"کس بنیاد پر قرض ملے گا؟ گھر اماں کے نام ہے۔ آدھا رہ گیا ہے، اس پر کتنا قرض مل سکتا ہے، میری کوئی پراپرٹی نہیں۔"
"تمہاری اماں یہ گھر تمہارے نام کردیں۔ پھر قرض مل سکتا ہے، کچھ میری بچت ہے، ان لوگوں کے الگ ہونے سے ہمارا خرچ بھی کم ہوگا، مل ملا کر۔ گھر بن جائے گا۔"
"کیسے؟ مگر کیسے؟ ہزار دو ہزار کی بچت سے گھر نہیں بنائے جاتے۔"
"کبھی دیوار کھڑی کرلی، کبھی چھت ڈال لی، اس طرح گھر بن جاتا ہے۔" پُریقین تھی وہ۔
"ادائیگی کون کرے گا؟ کم از کم میرے پاس اتنی رقم نہیں۔" وہ وہاں سے آگیا۔
ترانہ تو منصوبہ بنا رہی تھی۔ جو معظم کی ضد کی وجہ سے پورا نہیں ہوسکا۔
"مزید سوچ کر معظم کو قائل کروں گی۔" وہ پُرعزم تھی۔

☼ ☼ ☼

ادھر مہو نے اعظم سے کہا۔ "صبح میرے ساتھ بینک چلیے گا، میں اکیلی نہیں جاسکتی۔"
"بینک؟ بینک میں کیا کام ہے؟" اعظم چونکا ہوا۔
"ظاہر ہے رقم نکالنی ہے، میں نے اماں اور بھائی جان سے بات کرلی ہے۔"
اعظم کو چونکتے پا کر وہ گڑبڑا گئی۔ معظم اور اماں سے کچھ بھی کہا جاسکتا تھا۔ منوایا جاسکتا تھا۔ مگر اعظم ٹیڑھی کھیر تھا۔
"بینک میں میرے نام خاصی رقم ہے۔ سعودی عرب کے ابا کے بینک والی۔"
"کیسی رقم؟" وہ سمجھ تو گیا کہ سعودی عرب کے بینک میں اس کے ابا کی رقم منتقل ہوئی ہوگی۔
"بھائی جان سے بات ہوگئی ہے۔ ہم۔۔۔ اوپر دو کمرے بنوالیں گے، پھر انہیں کرائے پر دے دیں گے، خرچ کا مسئلہ حل ہوجائے گا، رقم ہے میرے پاس۔"
جلدی جلدی مختصر الفاظ میں ارادوں کا اظہار کیا، اعظم غصے سے لال پیلا ہوگیا۔
"کیا؟ کیا بکواس ہے یہ، میں تو سوچ رہا ہوں یہ دیوار بھی نہ رہے، کسی طرح بھابھی کو سمجھا کر انہیں منالیں۔ تم نے الگ گھر بنانے کا منصوبہ بنالیا۔ دماغ خراب ہے تمہارا، میں اماں سے بات کرتا ہوں، اب گھر میں عورت راج ہوگا۔"
شدید غصہ تھا۔ مگر مہو کو معظم کی تائید سے حوصلہ ہوا تھا۔
"بھابھی نے تو فوراً دیوار اٹھوالی۔ ہم بھی اپنے فائدے کے لیے ...!"
"بھاڑ میں جائے فائدہ" وہ گرجا۔ "اور میں تمہارے پیسوں سے گھر بنواؤں؟ یہ سوچا کیسے تم نے۔"
"آپ نہ بنوائیں، میں خود بنوالوں گی۔ فائدہ مجھے ہوگا، اخراجات کی طرف سے بے فکری ہوگی۔" بہت معصومیت تھی اس کے لہجے میں۔
"ہونہہ۔ میں نکھٹو ہوں۔ اس لیے یہ سبق پڑھائیں گی مجھے۔ ہٹو آگے سے۔" تو وہ بیڈ پر جا گری۔
"اماں کو بتاؤں گی، آپ مجھے مارتے ہیں۔" اس سفید جھوٹ نے اور بھی غصہ دلایا۔
"فضول باتیں کروگی تو پٹوگی، پریشان ہوں میں، اِدھر بھابھی کی ضد، معظم بھائی کی بے نیازی، اب ہوگا کیا؟"
"اسی وجہ سے تو کمرے بنوانے کا سوچا ہے۔ کرایہ آیا کرے گا تو خرچ کی فکر ختم۔" ایک تو اس کی پھٹے ڈھول جیسی آواز، اس پر اپنے پیسے سے گھر بنوانے کا اصرار۔ "کتنی دفعہ کہا ہے کم بولا کرو، مگر۔۔۔ نہیں۔ امتحان سر پر ہیں، اور فکریں۔"
"چلیں گے میرے ساتھ بینک، ہیں جی؟" ایک بار پھر وہی اصرار۔ اعظم کو غصے نے آپے سے باہر کردیا۔

اس نے تلملا کر سچ مچ تھپڑ رسید کردیا۔
"عقل مند بنتی ہے، اتنی عقل تھی تو بھابھی کو روک لیتیں۔ پیار سے سمجھا بجھا کر۔"
اس کی روتی صورت دیکھ کر ترس آگیا۔ یونہی بولنے لگا کہ شاید توجہ بٹے۔ مگر وہ بھی ایک تھی، رونے لگی۔
"میرا کوئی ہے جو نہیں، ماں نہ باپ، اب مجھے مار ہی کھانی ہے۔"
اعظم جلدی سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

خلاف توقع صبح کو ناشتہ ابھی صحیح وقت پر مل گیا، ترانہ تو کسی بات پر خفا ہوجاتی، تو گھر بھر کا ناشتا بند، اپنا کمرہ بند، معظم بھی آگیا تھا، آفس جانے کے لیے تیار ہوکر، ترانہ سو رہی تھی، ناشتا کرکے چلا گیا، اماں کے بستر پر رقم بھی رکھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ اماں سے کہنے لگی۔
"اماں! اپنے بیٹے کو سمجھالیں۔ رات کو میرے اتنی زور سے چماٹ رسید کیا، دیکھیں گال لال ہوگئے۔"
"ہیں؟" اماں اچھل پڑیں اور اعظم نے وہاں سے بھاگنے میں لمحہ بھر کی دیر نہ کی۔ اماں کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ ان کے کان میں گھس کر سرگوشیاں کرنے لگی۔ اعظم کی سماعت سے دور۔
شام کو چائے پر اس نے غور سے اماں کو دیکھا۔ ترانہ کے عمل سے جو صدمہ پہنچا تھا اس میں کافی کمی تھی۔ نارمل باتیں کرنے لگیں۔ ویسے بھی اب پہلے جیسی کمزوری نہیں رہی تھی۔ اماں نے اس کو پاس بلا کر بٹھایا۔
"اعظم۔۔۔ بیٹا! تم اب ننھے بچے نہیں ہو۔ جو میں تمہیں سمجھاؤں، دیکھو بیٹا! مردوں کا عورت پر ہاتھ اٹھانا بزدلی کی نشانی ہے اور گناہ بھی ہے، سمجھا کر کہا کرو، وہ سمجھ لیتی ہے، میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا ہے، کھانا پکاتے ہوئے سر پر دوپٹہ لپیٹ لیا کرے، بال سمیٹ کر، تاکہ بال کھانے میں نہ گریں، اتنی سی بات پر تم نے اس کو چماٹ رسید کردیا۔"
"توبہ اماں! کیسے بال، کیسا دوپٹہ۔ اماں آپ تو چماٹ نہ کہیں، کیا بے ہودہ لفظ ہے۔" وہ خجل ہو کر بولا۔
"ایں؟ مجھے کیا خبر، یہ موا کیا ہوتا ہے، میں سمجھی کوئی زوردار گھونسہ ہوگا۔"
دور کھڑی محترمہ مسکرا رہی تھیں۔ یقیناً "اماں کو کھانے میں بال نکل آنے پر چماٹ رسید کرنے کی کہانی سنائی تھی۔ اماں کو اس نے اپنا مطیع بنالیا تھا۔
"اور اماں اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا کر رہیں گی، یقیناً"۔۔۔ یقیناً"۔"
"اماں! میرا امتحان شروع ہورہا ہے پرسوں سے۔ آپ میرے لیے دعا کریں۔" جانتا تھا کہ اماں کی ہر دعا اس کی کامیابی کے لیے ہوتی ہے۔ مہو بھی نماز کے بعد ہاتھ اٹھائے دعا میں مشغول ہوتی ہے۔ لیکن اماں کی توجہ ہٹانے کی ضرورت تھی، تاکہ وہ چماٹ کے چکر سے نکلیں، اور پھر اعظم نے سب کچھ بھول کر توجہ صرف امتحان میں مرکوز کردی۔
ایک دوست کے گھر چلا گیا۔ وہاں سے سینٹر قریب تھا، اور کئی دوست اسٹڈی کے لیے جمع تھے۔

☼ ☼ ☼

دو، تین دن کے بعد گھر آیا۔ کپڑے لینے تھے، اماں کے کمرے میں معظم کے علاوہ الطاف اور مستقیم بھی موجود تھے۔ کافی انہماک سے کوئی خاص بات ہورہی تھی۔ وہ سلام کرکے اپنے کمرے میں جا رہا تھا۔ سوچتا ہوا کہ کسی نے اس کی آمد کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ پیپر کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا۔
اچانک کچن کی طرف نظر اٹھی۔ برآمدہ صاف، صحن میں دیوار کے ساتھ دو دیواریں اور کھڑی تھیں۔ اب کچن باہر تھا، مہو اندر موجود۔
"کیا ہے یہ؟" اس کے عین سر پر جا کر چیخا، وہ اچھل پڑی۔
"ہیں جی؟ کیا جی؟" ہونق پن چہرے سے ہویدا تھا،

مزید تلملایا۔

"یہ۔۔۔ یہ کچن' یہ باہر کس طرح آیا؟"

"وہ۔۔۔ بھائی جان نے کہا۔ برآمدے کی شو خراب ہو رہی ہے' صحن میں ایک دیوار تو قدرتی موجود ہے۔ دو اور ہو جائیں تو۔۔۔ اماں نے بھی کہا۔ ایسے ہی کرلو۔"

"ایسے ہی کرلو' اماں نے کہا' تم معصوم مان گئیں۔ خرچہ کون دے گا؟" آگ بگولہ ہو گیا۔

"بھائی جان سے پوچھیں۔" کہہ کر بھاگ گئی۔

برآمدے کی طرف دروازہ ابھی لگا نہیں تھا۔ وہ جلتا بھنتا کمرے میں جا کر کپڑے نکالنے لگا۔

پھر اماں کے پاس گیا' مستقیم اور الطاف جا چکے تھے۔ پوچھنا چاہتا تھا' یہ کیوں آئے تھے۔ لیکن اس سے پہلے معظم نے "پیپر کیسا ہوا؟" سوال کرکے توجہ دوسری طرف مبذول کروا دی۔ اماں بھی پاس بٹھا کر سر سہلانے لگیں' خوش تھیں۔

"بھائی! یہ جو صحن میں کچن بن رہا ہے۔"

"ارے بھئی! بس بن جائے گا۔ دیر نہیں لگے گی' فکر نہ کرو' برآمدے کی شو خراب ہو رہی تھی' اس لیے ہم نے طے کیا کہ' ایک دیوار کی بچت ہو گئی' ترانہ بیگم کی وجہ سے۔ تیار چھت کل آئے گی' پھر اندر کی۔"

"بھائی۔۔۔ ! مگر۔۔۔ اتنا خرچہ۔۔۔ کیا ضرورت تھی۔ گزارا ہو تو رہا تھا۔"

"تم صرف امتحان کی طرف توجہ دو۔ میں کرلوں گا سب' فکر نہ کرو۔" تسلی۔

"اماں!" اس نے فریاد کی۔

"ہاں بیٹا!" چمکارتے ہوئے بولیں۔ "سنا تم نے۔۔۔ مہو کے خالہ' خالو آگئے ہیں۔ ابھی کراچی میں ہیں۔ سنا ہے واثق کی شادی طے کرکے آئیں گے۔ اب یہ دو' دو خرچے آن پڑے' خالہ' خالو کو حج کی مبارک باد تحفے کے ساتھ دینی ہوگی' پھر واثق کی شادی پر سلامی' منہ دکھائی' لمبا خرچہ۔"

"لو جی۔۔۔ انہیں تو مہو کے خالہ' خالو کی فکر ہے' اور کچن کی چھت' اندر کا سامان' الماریاں' دروازہ' اب معظم بھائی کے پاس قارون کا خزانہ تو نہیں۔"

"ترانہ نے یہ شوشہ چھوڑ کر اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔" معظم بھائی بے خوف ہو گئے۔ جب چاہتے آجاتے۔ پہلے بھلا ایسا کہاں ہوتا تھا۔ ڈرتے ڈرتے آتے تھے۔ درمیان کی دیوار نے معظم کو الگ کرنے کے بجائے نڈر کر دیا تھا۔ اور سب سے بڑا نقصان ترانہ کو اس کمائی کا اٹھانا تھا۔ جس کو اپنے قبضے میں کرنے کے لیے وہ تگ و دو کر رہی تھی۔ معظم کی ترقی ہوئی تھی۔ ترانہ بے خبر تھی۔ اور وہ جس طرح شادی پر دل کھول کر خرچ کر رہے تھے اب بھی کر رہے ہیں۔

"اور ہاں۔ مبارک ہو' کل سے اوپر کی تعمیر بھی شروع ہو رہی ہے۔ الطاف اور مستقیم کو ٹھیکہ دے دیا ہے۔ اینٹیں' روڑی آچکی ہیں۔ ان شاء اللہ بہت تیز کام ہوگا۔ الطاف لیبر زیادہ لائے گا۔"

اعظم تھک کر بستر پر لڑھک گیا۔ "اف' یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"یہ۔۔۔ یہ جو گلی میں اینٹیں' روڑی پڑی ہے۔" وہ نقاہت محسوس کر رہا تھا۔

"ہاں' ہاں' یہ اپنی ہیں۔" معظم مسرت بھرے انداز میں بولا۔

"اور۔۔۔ بھائی! اس کا خرچا لمبا خرچا کون دے گا' کہاں سے آئے گا؟" (امتحان چھوڑ دو' یہ لوگ مجھے بیمار کیے بغیر نہیں مانیں گے۔) "تمہاری جناتی بیوی نے ذمے داری لی ہے' قرض دے رہی ہے۔"

"تو۔۔۔ ادائیگی۔۔۔ کیسے کروں گا؟" پیر پھیلا کر لمبا لیٹ گیا' تھکن' تھکن سی۔

"یار! تمہاری موٹی عقل میں یہ بات کیوں نہیں سمائی کہ بینک سے قرض لینے سے بہتر ہے بیوی کے مقروض ہو جاؤ' کرایہ آتا رہے گا' جب تک تمہیں جاب نہیں ملتی' کرائے سے گھر چلاؤ' جاب ملنے کے بعد کرائے کی رقم بیوی کو ادا کرتے رہو' ہو گیا قرض ادا' ہلدی لگی نہ پھٹکری۔"

"میری عقل' کچھ زیادہ ہی موٹی ہے' کام نہیں کر رہی ہے۔" کراہنے لگا' اماں کا شفقت بھرا ہاتھ سر پر ٹھہر گیا' سکون ملا۔

"لیکن اماں! ہمیں اس کھڑاک کی کیا ضرورت؟"

"بیٹا جی! جب سب کچھ ہو جائے گا تو پتا چلے گا' ترانہ کی حماقت اور مہو کی فہم و فراست' مقابلہ برابر کا ہے' اعظم! بس دیکھتے جاؤ۔"

☆ ☆ ☆

اس دن وہ واپس گیا تو کئی پیپر کے بعد آیا۔ گھر۔۔۔ مچھلی گھر بنا ہوا تھا۔ شور ہنگامہ' ساس' بہو بے حد مصروف' اوپر کمرے تیار ہو رہے تھے۔ گھبرا کر جلدی بھاگ نکلا۔ جب بھی آتا مزدوروں کے شور اٹھا پٹخ کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آتا۔ اور سب سے بڑھ کر کوفت کا سبب' محترمہ مہرالنساء بیگم کی آواز تھی۔ کھرج دار' دبنگ اور تحکمانہ' ہر شور پر غالب' اور یہ اوپر سے آرہی ہوتی جہاں محترمہ مزدوروں پر رعب جمانے کی پوری کوشش کر رہی ہوتیں۔ اماں بے حد مسرور اسے مہو کے کارناموں سے آگاہ کرتیں۔ "بہت ڈرتے ہیں سارے مزدور' جان نکلتی ہے اسے دیکھ کر' فوراً سیدھے ہو جاتے ہیں' آرام چھوڑ جھٹ پٹ کام پر لگ جاتے ہیں' ہاں ہاں معظم بتاتا ہے۔"

"اماں۔ آپ یہ شور سن لیتی ہیں؟ آپ کو نیند آجاتی ہے' منع نہیں کرتیں؟"

اعظم کو پاس بٹھا کر اماں نے دھیمی آواز میں اس کے شکوے کا جواب دینا شروع کیا۔

"میں نے چار سال قید تنہائی کاٹی ہے۔ تم پڑھنے میں مصروف' معظم بیوی سے خوف زدہ' اس گھر میں صبح تم دونوں کے جانے کے بعد پورا دن نہ کوئی بولنے والا تھا' نہ میری سننے والا' میری پرانی ملنے والیاں ترانہ کی زبان سے ڈر کر آنا چھوڑ چکی تھیں۔ ترانہ کو مجھ سے مخاطب ہونے میں ہتک محسوس ہوتی تھی۔ میں خود سے کوئی بات کر لیتی' تو جواب نہ ملتا۔ یا ایسا سخت منہ توڑ جواب کہ پھر کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ رہتی۔"

اماں کی آواز بھاری ہو گئی' وہ جانتا تھا' مگر سن رہا تھا۔

"میں۔ آوازوں کو ترسی ہوئی ہوں بیٹا! مجھے مہو کی آواز بہت پیاری لگتی ہے۔ گھر میں رونق پیدا کرنے والی۔ میں جانتی ہوں' تمہیں اس کی آواز پھٹا ڈھول لگتی ہے۔ ترانہ کے کانوں کے پردے نازک ہیں۔ مہو کی آواز سے ان کے کریک ہونے کا ڈر ہے بیٹا! ایک اللہ کا انعام ہے مہو' جو ہم سب کے لیے پھرکی کی طرح گھومتی ہے۔ گھر کے تمام کام نپٹا کر مزدوروں کے سر پر سوار ہو جاتی ہے' تاکہ تعمیر کا کام جلد سے جلد ختم ہو۔ محبت کی بھوکی ہے' اور ہم جو اسے محبت اپنائیت دیتے ہیں' وہ ہمیں چار گنا بڑھا کر واپس کرتی ہے۔ ہمدردی اور وفا کی پتلی ہے۔"

اماں کی نوکِ زباں پہ اس کے قصیدے "بالکل دماغ سڑا دیں گی یہ۔" بے زار ہو کر اٹھ گیا۔ "وفا کی پتلی ہونہہ۔"

"بھاگو نہیں اعظم! میری ایک بات تو سنو' بھئی ترانہ آئی تھی آج۔" اعظم ٹھٹک گیا۔

ترانہ پہلے بھی دو بار آئی تھی۔ کوئی نئی بات نہیں۔ آج کچھ نیا منصوبہ لے کر آئی ہوگی۔ جاننے کے لیے رکنا پڑا۔

"معظم کو ساتھ لائی تھی۔ حمایت کے لیے' کہنے لگی اماں یہ گھر آپ میرے نام لکھ دیں۔ یہ صرف کاغذوں میں ہوگا' کیونکہ ہمیں رجسٹری کروانی ہے۔ بینک سے قرض لینے کے لیے' میرے تو آگ لگ گئی۔ میں نے کہا' میرے ماشاء اللہ دو بیٹے ہیں۔ تمہارے نام کس لیے کروں' کہنے لگی' چچا نے بھی تو آپ کے نام کیا تھا۔ میں نے کہہ دیا' جب معظم گھر بنائے گا تو تم اپنے نام کروا لینا۔ میں اپنے بیٹوں کے نام بھی نہیں کروں گی۔ میرے مرنے کے بعد خود ہی دونوں کا ہو جائے گا' اور ویسے بھی اپنی مرضی سے تم نے حصے کر لیے۔"

"اماں!" اعظم حیرت زدہ تھا۔ "آپ نے بھابھی سے یہ سب کہہ دیا؟"

"ہاں کہہ دیا۔ اعظم! بیٹوں کی حمایت ہو' تو ماں کی طاقت دس گنا بڑھ جاتی ہے۔ معظم میری طاقت تھا۔ اشارے کر رہا تھا۔ اماں بولو' بولو' نہ کرنا' نہ لکھنا۔"

"چلیں۔ اب شاید عقل آ گئی۔ میں تو چاہتا تھا یہ بیچ کی دیوار گرا دی جائے۔ کہیں یہ دیوار دلوں کے درمیان بھی نہ کھڑی ہو جائے۔"

اعظم نے اماں کے دل کی بات کی۔

"اعظم! میں نے ایک اور بات بھی اس سے کہی، تم کو بتایا نہیں کہ شاید تمہیں پسند نہ آئے۔" وہ ہچکچا رہی تھیں۔

اعظم منتظر نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ "میں نے کہا ترانہ! شروعات تم نے کیں، اگر تم دیوار کھڑی نہ کرتیں تو ہم سب ایک گھر میں مل جل کر رہ سکتے تھے۔ تمہیں اپنے لیے کمرے بنوانے تھے تو بنوا لیتیں، تمہیں ہی رہنا ہے۔"

"کیا بولیں پھر؟"

"مہرو کو برا بھلا، دراصل اوپر کی تعمیر اس کی آنکھوں میں کھٹک رہی ہے کہ میں اور تم اس تعمیر کو درست سمجھ رہے ہیں، معظم روڑے اٹکا رہا ہے اپنا گھر بنانے میں دلچسپی نہیں لے رہا۔ بہت چیخی چلائی گئی اور مہرو کو دیکھیے، چائے بنا لائی۔ خوشامد کر رہی ہے، روک رہی ہے، یہاں تک کہا، ترانہ نے کہا میں مہمان نہیں ہوں، اپنے گھر آئی ہوں، تنتناتی ہوئی گئی، معظم چپ۔ ایک چپ سو کو ہراتی ہے، معظم شاید اسی چپ سے ترانہ کو ہرا دے۔"

☼ ☼ ☼

امتحانوں سے فارغ ہو کر اعظم دوستوں کے اصرار پر شکار کے لیے بہاولنگر کی طرف چلا گیا۔ واپس آ کر گھر میں خاصی تبدیلی دیکھی۔ کچن بالکل تیار، اوپر سے مزدور غائب، اماں مزید صحت مند، بلکہ مہرو بھی خاصی خوش خرم اور گلابی گلابی نظر آئی۔ گال بھر گئے تھے، رنگ نکھر گیا تھا، وہ اماں کے پاس بیٹھ گیا۔

"اماں! مہرو نے آپ کو خوب تنگ کیا ہے، ہیں نا؟ اچھا وہ مہرو کی خالہ، خالو کو تحفہ دے دیا آپ نے؟"

"ہاں بھئی، مہرو بازار سے سوٹ لے آئی تھی۔ ان کی دعوت بھی کر دی۔ سوٹ دے دیے، اب اگلے مہینے واثق کی شادی ہے۔"

"میں بقرعید پر یہاں نہیں تھا، آپ مجھ پر خفا نہیں ہوئیں۔"

اعظم نے بقرعید بہاولپور میں دوستوں کے ساتھ کی تھی۔ ڈرا ہوا تھا کہ اماں بہت خفا ہوں گی، مگر۔۔۔ اماں نے ذکر تک نہیں کیا۔

"اب وہ وقت گزر گیا تو کیا کہوں، مگر مجھے غصہ بہت آیا تھا، پھر میں نے معاف کر دیا۔ خوشی ایسی ملی۔"

اماں پراسرار طور پر مسکرائیں۔ پھر انہوں نے اسے اوپر کا گھر دیکھنے پر اصرار کیا۔ وہ مزید مہرو کی تعریفیں نہیں سننا چاہتا تھا۔ سن ہی رہا تھا۔ مگر زیادہ نہیں۔

"اماں! اب آ گیا ہوں، دیکھ لوں گا۔"

"کب دیکھے گا، کل کرائے دار آ جائیں گے، بڑا ہی خوب صورت اور آرام دہ ہے، کرائے دار بھی بہت خوش ہیں۔ ایک سال کا کرایہ ایڈوانس دیا ہے۔"

معظم نے اعظم کو بتایا تھا۔ اعظم کی جاب ملنے تک انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ بس اب جاب کی تلاش ہونی چاہیے۔

معظم نے مہرو کی بہت تعریف کی۔ اس کی دور اندیشی اور فہم و فراست، ان تھک محنت، معظم پر ترانہ کی سخت چیکنگ تھی اور اب وہ شاید ان لوگوں کی مدد نہ کر سکے۔

"سیڑھیوں پر بہت خرچ ہوا، اندر تو تھیں، مگر کرائے داروں کے لیے باہر بنوانی پڑیں۔"

ان کو خرچ کا تخمینہ لگاتا چھوڑ کر کمرے میں آ گیا۔

مہرو منتظر، مسکراتی، خود اعتماد خوش خرم۔ اعظم کی مہینہ بھر کی جدائی کا کوئی اثر ہی نہ تھا۔ (وفا کی پتلی؟) وہ بہت اشتیاق سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ خود تو وفا کا پتلا تھا اور اسے وہ کئی دفعہ یاد بھی آئی۔ بھاری آواز سمیت۔

صبح وہ اماں کے ساتھ ناشتا کر رہا تھا۔ معظم، اماں کے بقول اب ترانہ کے چنگل میں تھا۔ آفس سے واپسی پر آتا ہے۔ معظم کو مہرو کے ہاتھ کے خستہ پراٹھے پسند تھے، مگر اب تو پابندی تھی اس پر۔ اعظم پراٹھا کھاتے ہوئے معظم کو یاد کر رہا تھا۔ دھم دھم کرتی مہرو اندر آئی۔

"اماں!" کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑاکا عورتوں کی طرح اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "آج پھر انہوں نے مجھے کھینچ کے چماٹ رسید کیا ہے۔ سمجھا لیں اپنے بیٹے کو، آئندہ میں بھی ڈنڈا اٹھا لوں گی۔"

اعظم کے حلق میں پراٹھا پھنس گیا۔ اماں کا ہاتھ منہ تک جاتے جاتے رک گیا۔ انہوں نے بیٹے کو بے یقینی سے گھورا۔ پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ، دو جھانپڑ رسید کیے۔

"بے شرم، بے حیا، سمجھایا تھا کہ بزدلی کی نشانی ہے عورت پر ہاتھ اٹھانا۔"

"اور شوہر پر ڈنڈے برسانا بہت بہادری ہے؟" وہ بھی بھنا گیا۔

"اماں! ان کو بتا دیں، اللہ تعالیٰ نے عورت، مرد کو برابری کا رتبہ دیا ہے۔ یہ ماریں، اور میں چپ چاپ پٹ لوں، ایسے تو حالات نہیں۔"

"مہرو! میری بچی، معاف کر دے اسے، اور ہاں بات کیا تھی؟ کس بات کا غصہ اتارا تھا اس نے، تھپڑ کیوں مارا؟" اماں کے لہجے میں دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی تھیں۔

"تھپڑ؟ وہ کیا ہوتا ہے؟ اتنا سا۔۔۔ نہیں جی، زوردار چماٹ، دیکھیں، میرا گال سوج گیا۔" منہ آگے کر کے اماں کو دکھایا۔ اماں چٹا چٹ چومنے لگیں۔

"چل بیٹا! جانے دے، اتنے دن کے بعد آیا ہے، ہاں ہوا کیا تھا؟" اف، یادداشت۔

"کہہ رہے تھے۔" ذرا سا شرما کر دوپٹے کا کونا انگلی میں لپیٹ کر ترچھی نظر ناراض شوہر پر ڈال کر گویا ہوئیں۔ "کہہ رہے تھے۔ میں بے روزگار ہوں۔ بچے کا خرچا کون اٹھائے گا۔ مجھے نہیں چاہیے، تو میں نے کہا، میں ذمہ دار نہیں، ہیں نا؟ بس جی اٹھے اور زور کا چماٹ جڑ دیا۔"

اعظم تن فن کرتا اٹھا۔ مہرو کا ہاتھ پکڑا، کھینچتا ہوا کمرے میں لے جا کر اسے بستر پر دھکیلا۔

"بے شرم، بے غیرت، اتنی بے ہودہ بات اماں سے کرتے ہوئے حیا نہیں آئی؟ جاہل کی لٹھ، رشتے کا لحاظ بھی نہیں، اتنا ماروں گا کہ سارا بدن سوج جائے گا۔"

"سوجتا جا رہا ہے خود بخود۔" بستر پر لیٹے لیٹے شرمائی، اٹھلا کر بولی۔

"ڈھٹائی ختم ہے۔" وہ سر تھام کر کرسی پر گرا۔

"سوچا ہے کہ گزارا کیسے ہوگا، نہ میری جاب، نہ آمدنی، بھوکے مرنا ہے۔"

"اللہ نہ کرے۔" اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "کرایہ مل گیا ہے۔ پھر نوکری بھی مل جائے گی۔ میرا بچہ بڑا بھاگوان ہے۔ مبارک ہو۔"

"کچھ تم بھاگوان، کچھ تمہارا بچہ، میرے لیے مسائل کا پہاڑ، کیسے یہ بوجھ اٹھاؤں گا، جاہل، موٹی عورت کی عقل بھی موٹی، اماں نے جی بھر کر سر چڑھایا ہے۔" کمرے میں منہ چھپائے بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

معظم دوپہر کو آیا۔ اماں کی لاڈلی اسے کمرے میں لے آئی۔ معظم نے مسکرا کر مبارک باد دی۔ کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کرتا رہا، شکار کیسا رہا، آگے کیا سوچا، اسٹور چلے جانا، مناسب جاب ملنے تک، اس کا موڈ خراب دیکھ کر آگے کھسک کر آئے۔

"یار! منہ بنا کر کیوں بیٹھے ہو، خوشی مناؤ، اللہ کا شکر ادا کرو، شادی ہو گئی، گھر میں اضافہ ہو گیا، بیوی محنتی اور قدر دان مل گئی اور اب اس سے بڑی نعمت ملنے والی ہے۔ تم کو کیا معلوم، لوگ برسوں آس لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہم خود چار سال سے۔"

معظم یک لخت چپ ہو گیا۔ اعظم پر برف کے گولے برسنے لگے۔ پورا جسم ٹھنڈی لہروں کی زد میں آ گیا۔ معظم کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے۔

"مہرو! چلو اٹھو، چائے بنا دو، صبح بھی نہیں پی تھی، اور معظم بھائی بھی آ گئے ہیں۔"

وہ برآمدے میں سلائی مشین لیے زناٹ زن نہ جانے کیا کچھ سی رہی تھی۔ اعظم کو فرمائش دہرانی پڑی۔ معظم کے چہرے کی اداسی۔ اعظم کو کچھ ہونے لگا۔

"میں نہیں اٹھ سکتی ابھی۔" باہر سے موٹی آواز میں جواب ملا۔

"کیوں' میں نے صبح سے چائے نہیں پی۔" تلملا کر شرمندگی ظاہر کیے بغیر کہا۔

"دیکھو جی' یہ وقت میرا سلائی کا ہے' اپنے بچے کے کپڑے سیتی ہوں۔ اماں کاٹ کر دیتی ہیں' پھر موقع نہیں ملتا۔ آخر بچے کو پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے کپڑے پہناتے ہیں۔ ذرا صبر کرو۔"

اف۔ معظم کے سامنے' کاش! وہ غائب ہو سکتا۔ زمین میں دھنسنے والی کیفیت تھی۔ معظم کو مسکراتا دیکھ کر مزید شرمندگی۔

"میں خود' بنا لاتا ہوں۔" اٹھنے لگا۔ معظم نے روکا۔

"رہنے دو' ابھی اٹھے گی تو بنا دے گی۔ واقعی اس کے پاس وقت نہیں ہوتا میں نے تو کہا تھا لڑکی رکھ لو' مدد کر دے گی کام میں' تو کہتی ہے حضرت فاطمہؓ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی تھیں۔ انہوں نے بھی کوئی ملازمہ نہیں رکھی۔ ہم تو ان کی قدموں کی خاک کے برابر بھی نہیں اور پھر ایکسرسائز بھی ہو جاتی ہے۔"

معظم کا موڈ بحال ہو گیا تھا۔

"حالانکہ بہت تھک جاتی ہے' مگر میں جانتا ہوں' کفایت اور بچت اس کا اولین مقصد ہے۔ شاید میں نے ماں کی خدمت میں کوتاہی کی۔ اس کی سزا مل رہی ہے' تم کو صلہ۔"

وہ پھر سے اداس ہو گیا۔ اعظم کا دل چاہا' پہلے تو کوئی چیز اٹھا کر اس منہ پھٹ کے سر پر دے مارے۔ پھر معظم کو سمجھائے۔ اور بتائے' اتنی بھی معاملہ فہم' سلیقہ شعار نہیں' البتہ اداکاری خوب آتی ہے۔ جاہل' موٹی' آواز ہی پھٹا بانس نہیں بات بھی ڈنڈے لاٹھی کی طرح کرتی ہے' اور اماں بھی کم ذمہ دار نہیں' ابھی ترانہ نے چائے سے انکار کیا ہوتا' اماں صدمے سے بے حال ہو جاتیں۔ مگران محترمہ کے نصیب عروج پر ہیں۔ نہ جانے ان کو کس نیکی کا صلہ ملا ہے۔ اماں کو پوری طرح مٹھی میں لیا ہوا ہے۔ جب اماں کو جواب دینا شروع کرے گی تو اماں کو اپنی سرپرستی پر افسوس ہو گا۔ مگر ضبط کر گیا۔

"اچھا چلو۔ میں پانی رکھ آتا ہوں' پھر تم نہا لینا۔"

مصالحت اور مفاہمت ضروری تھی۔ صبح سے واقعی چائے نہیں پی تھی اور پھر معظم کو بہلانے اور توجہ ہٹانے کے لیے کچھ مصروفیت بھی ہونی چاہیے۔ چائے سے بہتر اور کیا ہو گا۔ اور پتا نہیں اپنے گھر سے آئے ہیں یا آفس سے کچھ کھایا پیا ہے کہ نہیں۔

ادھر سے کھٹ سے جواب موصول ہوا۔

"لو۔ پانی رکھنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ وقت تو سارا برتن نکالنے ٹرے میں سجانے پھر چائے دم کرنے دودھ گرم کرنے میں لگتا ہے۔ دیکھو جی' میرا کوئی میکہ ٹیکہ تو ہے نہیں' خالہ بیٹے کی شادی کی تیاری کریں کہ میرے بچے کے کپڑے سئیں' کہیں سے کوئی چھٹی نہیں آنے کی' جو تیار کپڑے مل جائیں گے' جو کرنا ہے' جو سینا' ہے' مجھے ہی کرنا پڑے گا' سلائی کا ٹائم ختم ہو گا' تو کھانے کا ٹائم ہو جائے گا' کھانے کے بعد چائے بنے گی۔"

(زبان کے آگے خندق' اسی کو کہتے ہوں گے۔)

"اچھا' اچھا۔ یہ کام بعد میں کر لینا۔" ضبط کرنا' کتنا مشکل ہے۔

"بعد میں۔۔۔ کب؟ بچہ ہونے کے بعد؟ وہ کیا ننگا پڑا رہے گا تب تک؟" (تعجب)

اعظم نے قلانچ بھری۔ اور گھر سے باہر نکل کر دم لیا۔ خود پر ترس آ رہا تھا۔ اماں' اماں' بچوں کی طرح آنسو بھر آئے' یہ کیسا سودا کیا ہے میرا؟ اور کتنا شرمندہ ہونا پڑے گا مجھے' اور کس کس کے سامنے' گلی میں ٹھوکروں اور پتھر اور شاپر' جوس کے خالی ڈبے ادھر سے ادھر کرتا رہا۔ غصہ کس پر اتارتا' جب بے خیالی میں ایک پتھر سے انگلیاں ٹکرائیں تو چوٹ کا احساس ہوا' اندر آیا۔

اماں کے کمرے کا سیٹ کچھ یوں تھا' وہ سوئی سے کچھ سی رہی تھیں۔ معظم چائے پی رہا تھا۔ ادھر ادھر

دیکھا، کچن میں کھانا نکال رہی تھی شاید۔ وہیں دبوچ لیا اور کھینچ کر غڑاپ سے اپنے کمرے میں دروازہ بند کیا۔ وہ سہم گئی تھی۔ بہت ضبط اور صبر کے ساتھ آواز کم کرکے بولا۔

"بات سنو۔ تمہیں کسی نے شرم و حیا کے لفظ نہیں سکھائے؟ ہر بات، ہر کسی کے سامنے اگل دیتی ہو۔ بھائی کے سامنے بچے کا ذکر کرتے ہوئے ذرا لحاظ نہ آیا۔"

مہرو نے کچھ سکھ کا سانس لیا۔ لبوں پر بڑا دلفریب تبسم لہرایا۔ "ہائے" کمر لچکا کر دہری ہو گئیں موصوفہ۔ (ادائیں سب جان لیوا ہیں محترمہ کی، بس زبان بے قابو ہے۔)

"لو جی، شرع میں کیا شرم۔ سب کے بچے ہوتے ہیں، جن کے نہ ہوں، ان کو شرم آتی ہے، سب پوچھتے جو ہیں کہ کتنے بچے ہیں، اب شرم تو ان کو آتی ہے، آنی بھی چاہیے، اور بھائی جان سے کیا لحاظ وہ تو میرے بھائی ہیں، اصلی والے۔" (چلو چھٹی ہوئی۔)

"اچھا۔ بکواس بند کرو، آئندہ میں نہ سنوں، بچے کی گردان، گردن دبا دوں گا، بے شرم۔"

"بے شرمی اماں نے سکھائی ہے مجھے۔" ایک نیا انکشاف۔ "ہر وقت سناتی ہیں، معظم پیدا ہوا تو یہ ہوا، اعظم کے وقت یہ ہوا، میرے بچے کا کوئی نام ہی نہیں تو میں کیا کہوں؟ بچہ ہی کہوں گی، اچھا۔ اب جاؤ کھانا نکال رہی ہوں نا۔"

اماں ابھی کچھ سی رہی تھیں۔ معظم سوئی میں دھاگا ڈال رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہیں اماں! کیوں آنکھوں پر زور دے رہی ہیں۔ رکھیں سب۔"

"لو۔ ان کی سنو۔ اے بھیا! تم تو آرڈر دے گئے تھے۔ وہ بچی کو تو پیار کی بھوکی ہے۔ تم ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہتے ہو۔ معظم نے پیار سے چائے کا کہا۔ فوراً" مشین لپیٹ لپاٹ اٹھ گئی۔ ذرا پیار سے بات کرکے تو دیکھو۔ کیسی ریشہ خطمی ہوتی ہے۔"

اعظم کی سماعت تو مشین میں پھنس گئی۔ مشین کیسے لپیٹی۔ نہ جانے کیا توڑ تاڑ دیا ہوگا۔ چلو یہ گر بھی آتا ہے محترمہ کو۔ "پر اماں مشین کیسے لپیٹ دی۔؟" بوکھلا گیا تھا۔

"ارے مطلب یہ کہ کپڑے سمیٹ سمٹ کر مشین رکھ دی۔ اب میں اس کے ادھورے کپڑوں کو سی رہی ہوں۔"

شکر ہے۔ مشین بچ گئی۔ توبہ۔

"اور یہ ریشہ خطمی۔ کیا ہوتا ہے۔"

"پڑھ لکھ کر ڈبو دیا۔ اعظم! اتنی کمزور اردو۔ مثال دی ہے۔ مطلب نرمی سے بات کرو گے تو فوراً" مان لے گی۔ محبت دو گے۔ تو محبت ملے گی۔"

"اچھا اچھا!" شرمندہ ہو گیا۔ "اب یہ رکھ دیں۔ سوئی دھاگے کی عمر نہیں رہی اب تھکیں گی بیٹھے بیٹھے خواہ مخواہ۔" اماں کے چہرے پر لجاجت دیکھ کر حیرت ہوئی۔

"بیٹا! اتنے عرصے کے بعد ایک ایسی خوش خبری ملی ہے۔ معظم کے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں۔ مگر خوشی تم سے مل رہی ہے۔ دس گنا طاقت آ گئی ہے۔ شوق پورا کر رہی ہوں۔ معظم کی محرومی پر دل کڑھتا ہے۔"

معظم گردن جھکائے رہا، مہرو نے معظم کے جھکے ہوئے سر کو اس کے چہرے کی اداسی کو دیکھا، ہائے بے چارے۔

"بھائی جان! آپ کیوں اداس ہو گئے۔" دردمندی سے بھرائی ہوئی آواز کا جادو جگایا۔ "اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور اولاد دے گا، ایسا کریں جب تک بھابھی کا بچہ ہو، آپ میرا والا لے لیں، بعد میں واپس کر دینا۔"

معظم کو ہنسی آ گئی۔ اماں تو یوں بھی ہر وقت اس کی ہر بات پر کھلی پڑتی تھیں۔

"پھر۔ تم کیا کرو گی؟ بچہ دے دو گی تو؟" معظم ہنسی روک کر بولے۔ گردن جھکا لی، قدرے ٹیڑھا منہ کرکے بے چارگی سے کہا۔

"میں؟ دوسرے سے دل لگا لوں گی۔" پھر جلدی سے فقرہ پورا کیا۔ "وہ خالہ کہتی ہیں، چل سو چل، ایک کے بعد دوسرا، لائن لگ جاتی ہے، سچ۔" (واقعی، واقعی)

ادھر اماں اور معظم کی ہنسی اسٹارٹ ہوئی۔ اعظم بال نوچتا۔

"او، او، او، یہ کبھی نہیں سدھرے گی، کبھی نہیں۔" کہتا ہوا کمرے سے باہر۔

مہرو حیران پریشان 'اب کیا ہو گیا؟' کی عملی تفسیر بنی کھڑی رہ گئی۔ معظم کے قہقہے گونجتے رہے، اداسی کافور، مہرو سوچ رہی تھی اب اس نے بچے کا نام ہی نہیں لیا۔ پھر اعظم کو کیا ہوا، مہرو کی مجبوری تھی اور وہ کہتی بھی کیا، اور کس سے، اعظم کے اعتراض اور نکتہ چینی پر وہ چپ ہو جاتی، کیا کہتی، کیسے بتاتی، مگر اب پانی سر سے اونچا نہ ہو جائے۔

وہ اعظم کی خفگی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ کہیں معاملہ سیریس نہ ہو جائے۔ اماں بتاتی ہیں اعظم بہت غصیلا ہونے کے ساتھ سرپھرا بھی ہے۔ کبھی بھی کچھ بھی کر سکتا ہے، بے قابو ہے۔

* * *

بچپن میں ماں کے گزر جانے کے بعد اسے پھوپھی کے گھر رہنا پڑا۔ ابا سعودی عرب میں تھے۔ جاب چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ پھپھو کے گھر میں پہلے ہی کافی تعداد بچوں کی تھی۔ اس کے اضافے کو بہت سرد مہری سے قبول کیا گیا۔ پھپھو کے دل میں تو کچھ گنجائش تھی بھی۔ مگر باقی لوگ اس کی آمد کے خلاف تھے۔ پھپھو ان کے شوہر، دو نندیں، ایک دیور، جس کے چار بچے بھی تھے۔ پھپھو کی بیٹیوں کو تو مہرو ایک جوکر کے طور پر قبول تھی۔ وہ جی بھر کر اس کا مضحکہ اڑاتیں۔ اس سے ہر قسم کا کام کرواتی۔ اگر اس سے غلطی ہو جاتی تو اس کو اپنے بھائی سے پٹواتیں۔ کام کام، کام اور مار مار، مار۔ یہ اس کی زندگی تھی، کوئی پرسان حال نہ تھا۔

دب کر تو چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے۔ کب وہ جارحانہ ہتھکنڈوں سے لیس ہوئی۔ ہر کسی سے لڑنا، زبان چلانا، بڑوں کو منہ توڑ جواب دینا۔ بہت جلد اس نے اپنے دفاع کے گر سیکھ لیے، وہ اکیلی تھی۔ مقابلے میں گھر کے بارہ افراد، پھپھو اپنے بیٹے کی فریاد اور اسے گھر سے نکالنے کی فرمائش پر راز کی بات بتانے پر مجبور ہوئیں۔

"مہرو کے ابا سعودیہ سے جو ریال اور درہم بھیجتے ہیں مہرو کے لیے، وہ اکیلی مہرو کے نہیں، تم سب پر خرچ ہوتے ہیں۔ وہ سونے کی چڑیا ہے۔"

گو کہ پھپھو کی مجبوری تھی، مگر ان کی دیورانی کو کیا مجبوری تھی، جو وہ اسے برداشت کرتیں۔ جب اس نے ان کے معصوم بیٹے کی دھنائی کرکے اسے زخمی کیا، انہوں نے ایک نہ سنی اور اس کو مار پیٹ کر گیٹ کے باہر کھڑا کر دیا، اس وقت اللہ کے حکم سے چچا آ گئے۔ وہ اس کے ابا کے ایکسیڈنٹ کی خبر لائے تھے۔ اس کی زبوں حالی پر بہن سے لڑ بیٹھے۔ اپنے گھر لے آئے۔

ابا گزر گئے۔ ان کو تابوت میں لایا گیا۔ وہ روتی تو سب اس کے آنسو پونچھتے۔ مگر۔ چچا کے گھر میں بھی اس کو نوکرانی سے زیادہ کا درجہ نہ دیا گیا۔ البتہ اسے اسکول میں ضرور داخلہ مل گیا۔ اسکول کی پڑھائی کے ساتھ گھر میں اس کا مقابلہ چچا کے دو بیٹوں، ایک بیٹی، چچی اور ان کی اماں سے برابر ہوتا۔ زبان درازی، اپنے دفاع کے لیے لاتیں چلانا اس نے وہیں سیکھا۔ کوئی سیدھے منہ بات کرنے والا نہ تھا۔ تمیز کیا ہے، تہذیب کس چڑیا کا نام ہے۔ اسے کسی نے سکھایا بھی تو کھانا پکانا، پھرتی سے ہر کام کرنا، اور۔ کسی کا سر کسی کے پیر دبانا۔

پھر خالہ کو اس پر ترس آیا۔ جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ یعنی وہ لڑائی مار کٹائی، زبانی تو تو میں میں کی پی ایچ ڈی ہو گئی تھی۔ خالہ کے گھر پیار ملا۔ عزت ملی، آرام ملا، اس نے کالج میں دو سال گزارے، بس، پھر اس کی شادی ہو گئی۔ وہ ایک آزاد پنچھی تھی۔ جو دل میں ہوتا وہی زبان پر، مصلحت سے ناآشنا، جھوٹ سے ناواقف، دنیا میں اس نے یہ ہی سیکھا تھا۔ طاقت سے دوسرے کو شکست دینا۔ اور وہ زبان کی طاقت سے فتح حاصل کرنا چاہتی تھی۔

اپنی آپ بیتی اس نے اعظم کو گوش گزار کر دی۔ پانی سر سے اوپر ہونے سے پہلے۔ اعظم کا غصہ کم ہو گیا۔ ختم نہیں، بہرحال دل میں نرم گوشہ تو تھا۔ اس خوش خبری نے کچھ لطف بھی دیا۔ اماں کی بے پایاں مسرت

معظم کی خوشی۔

کب تک دل پر جبر کرتا' بہرحال ایک انوکھی خوشی اور بہت پیارا سا احساس اس کو اپنے حصار میں لے چکا تھا۔ مہرو کو معاف کرنا پڑا۔ ٹھیک ہے' بے دھڑک ہے' نڈر اور ہٹ دھرم بھی' لیکن حقیقت پسند بھی ہے۔ اس کے عمل میں نیکی' مقصد اور بے غرضی تھی۔ وہ کسی کے لیے نقصان کا سبب نہیں بن سکتی اور عمل ہی انسان کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس آئینے میں فطرت عیاں ہوتی ہے۔ اعظم کو اس کی شفاف فطرت جانچنے میں دیر نہ لگی۔

وہ خود بھی حقیقت پسند تھا۔ لیکن ایک الجھن تھی۔ جب بہت سے مناظر مہرو نے خود پردہ اٹھا کر دکھا دیے تو اس الجھن سے چھٹکارا بھی ہونا تو چاہیے۔ اتنی خدمت گزار محنتی' حسین اور قریبی عزیز' آخر کوئی وجہ تو واثق کے انکار کی ہوگی ہی۔ وہ کیوں بے زار تھا۔

مہرو پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ ہنس ہنس کر بے حال ہو گئی۔

"وہ اور مجھ سے شادی' توبہ' یہ کیسے ہو سکتا تھا؟"

"تمہاری خالہ کی تو خواہش تھی' خالو بھی چاہتے تھے' انہوں نے واثق کو مجبور کیوں نہ کیا۔ ان کا فائدہ تھا۔"

"ہاں۔ خالہ شاید چاہتی تھیں' مگر واثق مجھ سے ڈر گیا تھا' خار کھانے لگا۔"

"کھل کے بتاؤ؟" اعظم الجھ کر بولا۔

"میں نے اس پر جوڈو کراٹے کے حملے کیے' اس لیے۔ جوڈو کے سڑاپے' کراٹے کا سپاٹا' ایک دفعہ گر گیا' پھر توبہ کرلی' میں نے خالہ کے گھر آتے ہی یہ کارنامہ انجام دیا' تاکہ آئندہ کے لیے ہوشیار ہو جائے۔"

"تم؟ جوڈو کراٹے' کہاں سے سیکھا تم نے؟" وہ ازحد حیران ہوا۔

"ارے کچھ نہیں' جوڈو کراٹے کا نام سنا تھا' بس اور لات چلا کر گرانا کون سا مشکل ہے۔ چچا کے بیٹوں سے باکسنگ سیکھی تھی۔ واثق نے ذرا ڈراوے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اس کو سبق سکھانا تھا۔"

"تو یہ جو نام سڑاپے جوڈو کا اور کراٹے کا شپاٹا۔ یہ کیا ہے؟" مہرو پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

"لو جی۔ یہ کیا مشکل تھا' گھونسے لات چلا کر کہہ دیا کہ مجھے تو ابھی سڑاپے اور شپاٹا چلانا بھی آتا ہے' جس سے بندے کی انتڑیاں پھٹ جاتی ہیں۔"

"اور' وہ ڈر گیا۔" اعظم کو ابکائی آئی' تھرتھری۔

"ہاں۔ جھوٹے' بدنیت' بدطینت لوگ بزدل ہوتے ہیں۔" سادگی اور سچائی اس کے لہجے میں تھی۔

☼ ☼ ☼

واثق کی شادی کراچی میں ہوئی تھی۔ اب خالہ' خالو دلہن کو لے کر آئے تو دعوت کی' ولیمہ وہ کراچی میں کر کے آئے تھے۔

اعظم' اماں اور مہرو کو لے کر ان کے گھر گیا۔ مہرو نے دل لگا کر تیاری کی تھی۔ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اماں نے اس کی کنپٹی پر کاجل کا ٹیکا بھی لگا دیا۔ نظر بد سے بچانے کے لیے۔

"ایک آپ کی بہو ہی خوب صورت نہیں ہوگی' واثق کی شادی بھی کسی حسین لڑکی سے ہوئی ہوگی۔" اعظم نے کن انکھیوں سے مہرو کو دیکھا۔ (ورنہ تو وہ مہرو سے ہی نہ کرلیتا شادی)

اماں مہرو کے ساتھ گھر کے اندر چلی گئیں۔ وہ ڈرائنگ روم میں دیگر مہمانوں کے پاس بیٹھ گیا۔ یہ سب رشتے دار ہی تھے۔ اپنی شادی میں وہ سب سے مل چکا تھا۔ پھر اندر سے اس کا بلاوا آیا۔ وہ شرما حضوری چلا گیا۔ واحد سسرال تھی۔

مہرو تو خالہ کے گھر آکر میزبان بن گئی تھی۔ سب سے تعریفیں وصول کرتے ہوئے فخریہ نظروں سے اس نے اعظم کو دیکھا' مسکرائی' آتشی گلابی اور فیروزی رنگ کے کپڑوں میں خوب دمک رہی تھی۔ ویسے بھی ان دنوں روپ آیا ہوا تھا۔ اصلی خوشی اور اطمینان نے اس کے وجود کو سکھ چین کی زندہ مثال بنا دیا تھا۔

خالہ نے بطور خاص اعظم کو اپنے پاس بلوایا۔ خالہ

ایک صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ان کے دائیں جانب ان کی نئی نویلی بہو اور بائیں طرف واثق بیٹھا تھا۔ پورا کمرہ رشتے داروں اور محلے کی خواتین سے بھرا ہوا تھا۔ وہ واثق کی جانب اور مہرو دلہن کے ساتھ بیٹھ گئی۔ تصویریں بن رہی تھیں۔ مہرو کیمرے کی فلش لائٹ میں چاند نہیں سورج کی مانند دمک رہی تھی۔

"ایک بیٹا' ایک بہو ہے۔ تو ایک طرف بیٹی' ایک داماد ہے۔" کوئی خاتون کسی کو بتا رہی تھیں۔ واثق نے دلہن کی توجہ مبذول کی۔

"ریشم یہ دیکھو' یہ مہرالنساء ہے۔ اور یہ اعظم ہے' میرا دوست اور بہنوئی بھی۔"

ریشم مہرو کو گھور رہی تھی۔ جو بے ساختگی سے مسکراتے ہوئے دلہن کو شادی کی مبارک باد اور تحفہ دے رہی تھی۔ پھر دلہن ریشم نے اعظم کو دیکھا۔ اس کے ماتھے پر چند سلوٹیں پڑ گئیں۔ اچانک وہ کھڑی ہو گئی۔

"واثق! میں بہت تھک گئی ہوں' اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ میرا کھانا کمرے میں لے آنا۔"

وہ کھڑی ہوئی' تب اعظم نے اسے دیکھا' یہ؟ یہ معیار ہے؟ سانولا رنگ' جس پر کچھ دھبے تھے۔ چھوٹا قد اور معمولی نقش' جسم فربہی کی طرف راغب۔ یہ معیار' ریشم اور واثق۔ وہ چلی گئی تنتناتی ہوئی' واثق وہیں بیٹھا رہا۔

"واثق کی پھپھو کی بیٹی ہے۔" خالہ کسی کو بتا رہی تھیں۔ "کراچی میں واثق کے ابا سے انہوں نے خود۔۔۔"

واثق نے اعظم کی آنکھوں میں واضح سوال دیکھا۔ اس کے کان میں منہ گھسا کر بولا۔

"خاصی بد اخلاق اور نخرے والی ہے ریشم۔ ترانہ بھابھی کو نکالو' ان کو ڈالو' ان کو ڈالو ان کو نکالو' یار' بس' جلدی میں یہ ہی ملی' ابا سے یہ ہی وعدہ تھا۔"

وہ مذاق مذاق میں اپنی ناکامی کا اقرار کر رہا تھا یا پچھتا رہا تھا۔ دکھ بیان کر رہا تھا۔ پچھتاوے تو اس کے لہجے میں کراہ رہے تھے۔ سامنے ہی مہرو کھلکھلا کر ہنستی ہوئی کیمرے کی فلش لائٹ میں چمک گئی۔ اعظم اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا' تصویر بنوانے' فخر کرنے کے لیے اس کے پاس بہت کچھ تھا۔ پچھتاووں کے سوا۔

وہ طنز کرنے کا عادی نہ تھا۔ مگر واثق کے سوا' وہ ریشم کی حاسد نظریں بھی پہچان چکا تھا۔

وہ اماں کی دور اندیشی پر ایمان لے آیا۔ ہمیشہ کی طرح۔ جو مہرو کو نظر بد سے بچانے کا انتظام کر کے آئی تھیں۔

کنپٹی پر کاجل کا ٹیکہ لگا کر' وہ بھی تو چمک رہا تھا۔

☼